بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُبلّغ اِسلام علّامہ شاہ عبدُ العلیم صِدّیقی میرٹھی علیہ الرَّحمہ

کی حیات و خدمات پر

نادر معلومات کا حسین گلدستہ

سلطنت مصطفیٰ ﷺ کا سفیر

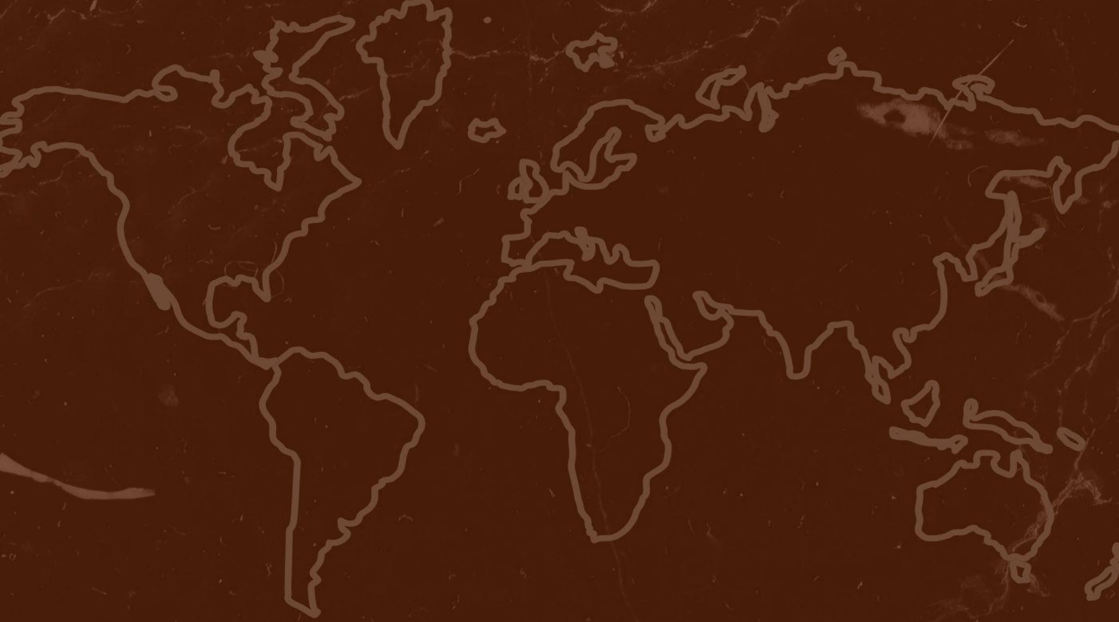

حضرت علّامہ مفتی نسیم اشرف حبیبی

ڈربن ساؤتھ افریقہ

سلطنت مصطفیﷺ کا سفیر

مبلّغ اسلام علاّمہ شاہ **عبدالعلیم صدّیقی** میرٹھی
رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ والرَضوان

چیدہ چیدہ حالات و خدمات

ترتیب:-

علاّمہ **مفتی محمد نسیم اشرف حبیبی** صدر **حبیبی دارالافتاء** ڈربن ساؤتھ افریقہ

بفرمائش :-

مولانا معین الحق علیمی مصباحی

فہرست عناوین

پیش لفظ : از حضرت مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی..........6

آئینہ احوال (مرتّب کتاب) : از مولانا فتح احمد مصباحی ڈربن..........10

قلمی تصویر: قد و قامت کی رعنائی..........16

سوانحی خاکہ

ولادت اور ابتدائی زندگی..........17

تعلیم کی نئی سمت..........18

خطابت منفرد..........19

زبان دانی..........19

خدمات اور کارنامے..........20

نیشنل ہائی اسکول پونا..........21

آغاز سفر

سفر حجاز مقدّس..........24

غیر ملکی اسفار کا نامکمل خاکہ..........25

حجاز مقدّس اور سیلون 1933..........26

سیلون، ملایا اور ماریشس- 1932/1931...27
ٹیگوری فتنے کا مقابلہ :برما ، انڈونیشیا 28
انڈو چائنا - 1936 قادیانیت بے نقاب...29
جاپان 1936 – تبلیغ بذریعہ استدلال...30
حجاز مقدّس- حج1937 33
سنگاپور ا 1949 -اتحاد بین المذاہب کانفرنس 33
فلپائن 1949/ 1950 - تندیٔ بادِ مخالف...34
دورہ امریکہ 1950 -مبلّغ اسلام کا اسلامی احیا...37

سیاہ افریقہ میں اسلام کا اجالا

افریقہ جنوب اور مشرقی افریقہ –35 /1934...40
موزمبیق.. 41
زنجبار..43
جزیرہ ماریشس..43
ماریش کا دوسرا دورہ..44
ماریشس کا تیسرا دور..46
ماریشس کا اخری سفر 46
حسن تقریر..48
تقریروں کی ریکارڈنگ 50

ساؤتھ افریقہ 51
کیپ ٹاؤن :سلطنت مصطفیﷺ کا سفیر 53
پورٹ ایلز بتھ : نئی کرنیں نئی امنگیں.. 56
لیڈی اسمتھ : اعزازات و کامرانیاں 57
ڈربن الوداعی...58
آغوش محبوب میں..62

پیش لفظ

- از مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی

صدر المدرسین دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مولی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

"بخدا اے علی! خدائے تعالیٰ کا تیرے ذریعے کسی ایک شخص کو ہدایت دینا تیرے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے"۔ [بخاری و مسلم بحوالہ ریاض الصالحین مقدمہ]

اونٹ اور خاص طور سے سرخ اونٹ عربوں کی نفیس و پسندیدہ ترین دولت تھی اور اس کی کثرت دولت مندی و سرمایہ داری کی عام علامت بھی۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ذریعے ایک آدمی کی ہدایت کو سرخ اونٹوں سے بہتر قرار دے کر دینی دعوت اور رشد و ہدایت کی فضیلت واہمیت کو گویا محسوس اور بڑے دل نشیں طریقے سے سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے۔

اس فرمان سے دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کا حوصلہ بلند ہوتا ہے اور اس کام میں ان کی رغبت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اور جو راغب نہیں ان میں رغبت و حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

خلیفہ اعلیٰ حضرت مبلّغ اسلام علاّمہ شاہ عبد العلیم میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سلف کے متوارث مذہب اور اعلیٰ حضرت کی حقیقی اور صحیح و سالم فکر کے سچّے عالمی داعی وترجمان تھے، جنہوں نے اعلیٰ حضرت کے اشارے پر ان کی دعائیں لے کر مثبت انداز اور سائنٹفک طرز پر پوری دنیا میں دینی تبلیغ کا زبردست کام کیا ہے۔ آپ بنیادی طور سے ایک مبلّغ اور عالمی

مبلّغ تھے۔ قدرت نے اپنے خصوصی فیضان سے آپ کو وہ تمام وہبی و کسبی صلاحیتیں بخشی تھیں، جو عالمی سطح پر دعوت و تبلیغ کے لیے درکار اور ضروری ہوتی ہیں۔

آپ درجنوں بڑی اور چھوٹی ، عام اور محدود زبانوں پر دسترس رکھتے تھے۔ آپ جدید و قدیم اور دینی و دنیوی علوم وفنون سے بھر پور آراستہ تھے، آپ تصوف اور سائنس جیسے دو ایسے علوم کے جامع تھے، جو عموما ایک ذات میں شاید باید جمع ہو پاتے ہیں، دین اور روحانیت کو سائنس اور مادیت کے ذریعہ سمجھانے کا فن کوئی آپ سے سیکھے، آپ اپنے مخاطب کی نفسیات کا پورا خیال رکھ کر بات کہتے تھے ، آپ مکمل سنجیدگی دمتانت اور کامل حکمت و موعظت کے ساتھ بڑے پُر تاثیر و دل پذیر انداز سے اپنی بات سمجھاتے تھے۔ زبان بہت آسان اور انداز بیان انتہائی سادہ اور فطری استعمال کرتے تھے۔ اس لیے آپ کی تحریر و تقریر از دل خیز و بر دل ریزد کانمونہ ہوتی تھی۔

ان سب خوبیوں کے ساتھ ساتھ تاثیر و دل پذیری میں بے مثال، آپ کی تفہیم وتبلیغ کی جو سب سے بڑی خوبی مجھے سمجھ میں آتی ہے ، وہ یہ ہے کہ آپ نبوی اخلاق و کردار کا عملی نمونہ تھے اور اپنے کام میں حد درجہ مخلص بھی تھے، آپ اپنے مخاطبین کو اپنے اخلاق و اخلاص کے ذریعے ان کا سچا ہمدرد و خیر خواہ باور کرانے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ آپ نے محض رضائے الہی ، اعلائے کلمہ حق اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے جذبے سے دعوت کا کام انجام دیا ہے۔

یہی ساری خوبیاں مبلّغ اسلام کو بہتوں سے ممتاز کرتی ہیں، اور انہیں کے باعث مبلّغ اسلام کے ہاتھ سے ایک مشہور روایت کے مطابق ستر ہزار لوگ کفر کے اندھیرے سے نکل کر ایمان کے اجالے میں آگئے ۔

درج بالا حدیث کی روشنی میں ہمارے مبلّغ اسلام نے ستر ہزار لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بن کر آخرت کے بینک میں اجر و ثواب کا کتناذ خیرہ جمع کر لیا ہے، اسے تو بس ان کا توفیق دینے والا خدا ئے ہادی و منعم ہی بہتر جانتا ہے۔ مبلّغ اسلام کے اس عظیم مخلصانہ اور بے لوث خیر انجام دعوتی کام کے اثرات امریکہ، یورپ، افریقہ اور ایشیا میں آج تک بہت واضح طور سے محسوس کیے جا رہے ہیں۔ جس کا اعتراف اغیار بھی کرنے پر مجبور ہیں۔ میرا خیال ہے کہ عین خواہش کے مطابق جنت البقیع میں ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قدموں میں جگہ پانا بھی اللہ ورسول کی بارگاہ میں آپ کی اورآپ کے کام کی مقبولیت کی علامت ہے۔

مبلّغ اسلام نے افریقہ اور خاص طور سے افریقہ جنوب کے ملکوں اور شہروں کو زیادہ وقت دیا ، اور ان پر زیادہ توجہ صرف کی ، ان میں ماریشش، ڈربن اور کیپ ٹاؤن سر فہرست ہیں۔

مبلّغ اسلام کی عالمی تبلیغی خدمات کا ریکارڈ اپنی پوری تفصیلات و جزئیات کے ساتھ ابھی تک منظر عام پر آنے کا منتظر ہے، وصال کو نصف صدی گزر جانے کے بعد بھی اب تک صرف اجمال ہی کا اعادہ ہوتا چلا آرہا ہے۔ بے حسی اور مایوسی کے اس ماحول میں ہمارے خواجہ تاش اور حسن و کرم فرما صاحب کتاب حضرت علاّمہ مفتی محمد نسیم اشرف حبیبی مدظلہ العالی صدر مفتی حبیبی دار الافتاء ، ڈربن ، ساؤتھ افریقہ نے حضرت مولانا معین الحق صاحب علیمی اور فقیر کی گزارش و تحریک پر افریقہ جنوب میں مبلّغ اسلام کی خدمات کو قدرے تفصیل سے قلم

کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولی تعالی آپ کی سعی مشکور فرمائے ، اورآپ کے اس اقدام کو اوروں کے لیے نمونہ تقلید بنائے۔

اس کتاب میں اجمال کی بعض کلیوں نے گل تفصیل کی صورت ضرور اختیار کر لی ہے لیکن یادر ہے کہ دستیاب مواد میں ایسے اجمالات کی تعداد ا بھی بہت زیادہ ہے، جو تفصیل کے محتاج ہیں، اور بہت سی باتیں ابھی اجمالاً بھی باضابطہ قید تحریر میں نہیں آسکی ہیں۔

اگر حضرت والا مزید کچھ اپنا قیمتی وقت اس کام کے لیے وقف فرمادیں ، خود بھی لکھیں اور دوسرے جاننے وا والوں سے اسے بھی لکھوائیں تو یہ ایک بڑا کارنامہ ہوگا ،آپ سے اس لیے امید ہے کہ آپ اہل بھی ہیں، اور دلچسپی بھی رکھتے ہیں، اور خانوادہ علیمیہ سے آپ کے تعلقات بھی اس کا تقاضا کرتے ہیں، اور ایک عرصے سے مبلّغ اسلام کے میدان عمل میں آپ کام بھی کر رہے ہیں۔ گر قبول افتد ز ہے عز و شرف

حضرت مفتی صاحب کی اس قلمی کاوش کو انہیں کے صرفے سے دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی شائع کرتے ہوئے ان کا بہت بہت شکر گزار ہے۔

مخلص

فروغ احمد اعظمی مصباحی

خادم دار العلوم علیمیہ حمدا شاہی ضلع بستی- یوپی انڈیا

۲۵/ذی الحجّہ ۱۴۳۰ھ / ۱۳ دسمبر ۲۰۰۹ء

آئینہ احوال مرتّب

- از حضرت مولانا فتح احمد مصباحی ڈربن

علّامہ مفتی محمد نسیم اشرف حبیبی مدظلہ العالی

ذہانت و فطانت سنجیدگی و متانت، پاکیزگی نفس، عالی ظرفی، فراخ دلی، کشادہ روئی خوش مزاجی مہمان نوازی، بردباری، انکساری، اصاغر نوازی ، رحمدلی، بندہ پروری، شفقت و محبت اللہ ورسول کی اطاعت شعاری، والدین کی فرمابرداری، اساتذہ و مشائخ کی نیاز مندی ، اسلاف واکابر کی عقیدت کیشی ، بلند ہمتی، خود اعتمادی بے باکی، خودداری، عالمانہ وقار، دینی تصلب ، حق پر استقامت، ولولہ احقاق حق، جذبہ ابطال باطل ، جوش سنیت ، اخلاص وللّٰہیت ، جبینِ سعادت پر سجدوں کی تابانی اور ان کے علاوہ دیگر بہت سارے اوصاف و محاسن کی مجموعہ کمال و جمال شخصیت کا نام ہے " مفتی محمد نسیم اشرف حبیبی" ۔ جن کی اخلاقی اقدار قابل رشک اور جن کی سادہ و بے تکلف طرز زندگی خودان کے لیے ذریعہ فلاح و نجات اور دوسروں کے لیے نمونہ حیات ہے۔

ولادت

حضرت مفتی محمد نسیم اشرف حبیبی کی ولادت ۱۹٤۷ء کے عربی ماہ ذوالقعدہ میں ان کے آبائی وطن ریول گنج مانجھی ضلع چھپرہ صوبہ بہار میں ہوئی۔ جو شہر چھپرہ سے تقریبا نو کلو میٹر دور دریائے گھاگھرا کے کنارے ہے۔

والد ماجد کے القابات اور الہ آباد

ہمت خان کی کئی پشتوں بعد رحیم بخش خاں کا نام ظاہر ہوتا ہے۔ جو زمیندارانہ شان و شوکت کے ساتھ متقی و پرہیز گار بھی تھے۔ رحیم بخش خاں کے فرزند حبیب اللہ خاں اور دوسرے فرزند محمد نعیم اللہ خاں ہیں جو حضرت مفتی صاحب کے والد ماجد ہیں۔

دوران جامعہ نعیمیہ میں سبھی آپ کو "نعیم" کہہ کر بلاتے اور پکارتے تھے ۔ حضور مجاہد ملت کو یہ ناگوار گزرا۔ کیونکہ حضور صدرالافاضل کا نام محمد نعیم الدین تھا اور نعیم نعیم پکارنا حضور صدر الافاضل کی بے ادبی محسوس ہوتی تھی ۔ لہذا ایک مرتبہ حضور مجاہد ملت نے فرمایا کہ ماشاء اللہ و رسولہ آپ حج سے مشرف ہیں، اس لیے آج سے ہم بھی آپ کو' الحاج 'کہا کریں گے تاکہ امتیاز رہے ۔ اسی دن سے آپ کا عرفی نام **الحاج** اتنا مقبول و مشہور ہوا کہ بعد والوں کو آپ کا اصلی نام ہی نہیں معلوم ۔

حضور مجاہد ملت نے آپ کو خوب نوازا اور آپ نے بھی حضور مجاہد ملت کے چشمہ شیریں سے خوب فیض اٹھایا۔ مسجد اعظم کی واگزاری , جامعہ حبیبیہ کی تعمیر و ترقی اور آل انڈیا تبلیغ سیرت کی سرگرمیوں میں اتنا مجاہدانہ کردار ادا کیا کہ آپ کا لقب مجاہد 'جلیل' ہوگیا۔

چونکہ آپ کی سرگرمیوں کا مرکز خصوصاً الہ آباد رہا۔ اس لیے آپ نے اسی شہر کو اپنا مستقل مسکن اور پھر مدفن بنالیا۔ اس طرح عرصہ درازگی کے وجہ سے مفتی صاحب کا وطن الہ آباد ہوا

ابتدائی زندگی اور تعلیم

مفتی صاحب نے ایک ایسے اسلامی گھرانہ میں آنکھیں کھولی جہاں کا پورا ماحول دینی اور مذہبی تھا۔ مہد مادر سے دوش پدر تک تربیت ہوتی رہی۔ پھر جامعہ حبیبیہ الہ آباد سے حافظ ، قاری ، عالم

بن کر نکلے۔ اور جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات ادیب ، ادیب ماہر، ادیب کامل، پاس کیے۔ الہ آباد عربی فارسی بورڈ سے فاضل ادب بھی۔ پروفیسر سید محمد رفیق صدر شعبۂ عربی وفارسی الہ آباد یونیورسٹی سے مفتی صاحب نے خصوصی عربی و فارسی زبان وادب کا درس لیا ہے۔ مفتی صاحب کی اعلی تعلیم و تربیت میں ان کا خاص حصہ اور اہم کردار ہے۔ انگریزی زبان پر خود قابو پالیا۔

اساتذہ

- والد گرامی حضرت علاّمہ مولانا الحاج محمد نعیم اللہ خاں صاحب علیہ الرحمہ
- برادر کبیر حضرت علاّمہ مولانا محمد شمیم اشرف از ہری مد ظلہ العالی
- حافظ و قاری نعمت اللہ الہ آبادی
- مولانا قاری سید مقبول حسین اللہ آبادی
- مفتی عبد العزیز فتح پوری
- شیخ المعقولات علاّمہ معین الدین اعظمی
- پروفیسر سید محمد رفیق

مرشد طریقت

حضرت مفتی نسیم اشرف حبیبی کے پیرو مرشد حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ ہیں -

جامعہ حبیبیہ کے طلباء کے ساتھ ایک موقعہ پر مثنوی شریف کے چند اشعار کا تبرکا خصوصی درس حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ سے لیا۔

تلامذہ

الہ آباد ، بمبئی ،ملاوی اور ڈربن کی تدریسی زندگی میں بہت تلانذہ اور شاگردوں نے فیض اٹھایا۔

دینی خدمات

مفتی صاحب کی دینی خدمات دو عظیم براعظموں یعنی ایشیا وافریقہ کو محیط ہیں۔ زمانہ طالب علمی ہی میں اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد جامعہ حبیبیہ الہ آباد کے مہتمم ہوئے۔ چند سال جامعہ حبیبیہ الہ آباد میں درس دیا۔ تین سال شہر بنگلور میں خطیب و امام رہے۔ پھر بمبئی قلا بہ حنفیہ مسجد کی امامت و خطابت سنبھالی اور اسی مسجد میں دار العلوم حنفیہ قائم کیا۔قائد اہلسنت حضرت علاّمہ شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ کے ایما پر ڈربن ساؤتھ افریقہ دار العلوم علیمیہ رضویہ کے صدر مدرس کی حیثیت سے ۱۹۸۳ء میں تشریف لائے ، اور دس سال تک خدمات انجام دیتے رہے۔ ڈربن، جو ہانسبرگ کی مساجد میں ہیڈ پریسٹ بھی رہے۔ اور یہ سلسلہ تا ہنوز جاری رہے۔

صحافتی زندگی

قلم و تحریر اور زبان و ادب سے آپ کا ہمیشہ واسطہ رہا۔ **'ماہنامہ حجاز'** رائے بریلی کی ادارت، بلکہ اس کا نام بھی آپ ہی نے تجویز فرمایا۔ **"ماہنامہ تسخیر"** بنگلور کے ایڈیٹر ہفت روزہ (ویکلی) **" استقامت "** کانپور کے **"مجاہد جلیل نمبر"** مارچ 1964 کے مرتّب ، مذہبی رسالوں میں مضامین، اور ادبی جرائد مثلاً **"شہیر الہ آباد"** ، **سب رنگ الہ آباد** اور **شاخسار کٹک** وغیرہ میں پیرا گراف ، دیگر اشتہارات و مراسلات کے علاوہ اب اپنے ہی قائم کردہ **'حبیبی دار الافتاء** سے فتاوے صادر فرمارہے ہیں۔

مذهبي و تبليغي اسفار

بحمدہ تعالی مفتی صاحب نے دو حج اور کئی عمرے کی سعادت حاصل کی ، نیز ہر بار مدینہ طیبہ کی حاضری ، انڈیا اور ساؤتھ افریقہ کے بیشتر شہروں کا دورہ کرنے کے ساتھ ساتھ

ملاوی ، زمبابوے، موزمبیق، بوٹسوانہ، کینیا، تنزانیہ، برطانیہ، لسوٹھو، موریشش اور دبئی وغیرہ کے اسفار فرما چکے ہیں۔

شادی خانہ ابادی

مفتی نسیم اشرف حبیبی کی شادی بنارس کے قریب قصبہ بھدوہی میں ہوئی۔ چار بیٹیوں کے ساتھ ایک بیٹا نعمان اشرف خان ہے ۔ جو یہاں ایک جرمن کمپنی میں چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہے۔

ایک عظیم محسن :علاّمہ شاہ احمد نورانی صدّیقی

مفتی نسیم اشرف حبیبی خانوادۂ صدّیقی اور خانوادہ علیمی کا اکثر تذکرہ فخر ،شکر اور احسان کے ساتھ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس خاندان سے ہمارے خاندان کا رشتہ محبت و عقیدت بہت قدیم ہے۔ کیونکہ جہاں حضرت علاّمہ احمد مختار صدّیقی علیہ الرحمہ نے میرے والد ماجد مولانا الحاج محمد نعیم اللہ خاں پر بے شمار الطاف و نوازشات فرمائیں ، وہیں قائد اہلسنت حضرت علاّمہ شاہ احمد نورانی صدّیقی علیمی علیہ الرحمہ نے مجھ پر اور میرے بڑے بھائی علاّمہ شمیم اشرف ازہری پر عنایات و احسانات فرمائے ۔ حضرت نے ہی بڑے بھائی کو ماریشش بلایا اور مجھے ۱۹۸۳ء میں ڈربن حاضر ہونے کا حکم صادر فرمایا ۔ فجزاهم الله خير الجزاء

الحاصل

ہمارے ممدوح حضرت علاّمہ حافظ و قاری مفتی محمد نسیم اشرف حبیبی مدظلہ العالی عوام و خواص میں یکساں مقبول، ایک معتمد مذہبی قائد ، اور علمائے اہلسنت کے سالار قافلہ ہیں۔ جنہوں نے عربی ، فارسی، اردو اور انگلش زبانوں میں اپنی تدریسی تحریری ، تقریری اور تبلیغی خدمات سے بے شمار قلوب واذہان کو مصفّیٰ و مجلّیٰ کیا۔ کتنوں کو بد عقیدگی سے بچایا، اور بہتوں کو

مشرف بہ اسلام کیا۔ آپ کی ذات ساؤتھ افریقہ کے لیے غنیمت ہی نہیں بلکہ اللہ ورسول کی طرف سے بیش بہا نعمت ہے۔

تقریبا دس بارہ سال قبل ڈربن کے ایک بہت بڑے جلسے کی نظامت کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب کی خدمات سے متاثر ہو کر فی البدیہہ یہ تہنیتی قطعہ ان کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے میں نے انہیں دعوت سخن دی تھی۔ جسے اسٹیج پر بیٹھے ہوئے مدعوئین کے ساتھ سامعین نے بھی خوب پسند کیا تھا۔

علما کے معتمد ہیں مفتی نسیم اشرف　　فاضل بھی مستند ہیں مفتی نسیم اشرف
بین العوام ان کی مقبولیت تو دیکھو　　حجت بھی ہیں سند ہیں مفتی نسیم اشرف

مولانا فتح احمد مصباحی عیش بستوی

ڈربن ، ساؤتھ افریقہ

۱۴ اگست ۲۰۰۹

<u>Update :</u> انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ موت العالِم موت العالَم

- **ایک عالم کی موت کائنات کی موت کی طرح ہے**- نور اللہ و مرقدہ
28 رجب 11/1442 مارچ 2021 بروز جمعرات بعد عشاء اذان، ہمارے **محترم** مصنف **مفتی نسیم اشرف حبیبی** علیہ الرحمہ انتقال کر گئے-۔ انہیں ڈربن میں فلاور روڈ مسجد (جہاں انہوں نے اپنے اخر تک بحیثیت خطیب خدمات انجام دیں) سے متصل کلیر وڈ قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی حضرت کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر ان کے درجات بلند فرمائے آمین ۔

قدوقامت کی رعنائی

قلمی تصویر

کشادہ پیشانی ، گورا رنگ، سرگول اور باوقار ، بڑی اور روشن آنکھیں ، آنکھوں پر عینک، ستواں ناک ، چوڑا سینہ، تراشیدہ ہونٹ ، گھنی ڈاڑھی، دندان چھوٹے چھوٹے انار کے دانوں کی طرح باہم جڑے ہوئے، درمیان باریک ساشگاف ، کبھی جب تبسم فرماتے تو شگفتگی گل کا دیدہ تو از منظر ہوتا۔

مونچھوں کے کنارے ڈاڑھی سے متصل قدیم وضع کا مسنون عمامہ اکثر کتھئی رنگ کا۔ جو سر پر خوب سجتا اورچہرہ کی دلکشی میں اضافہ کرتا۔ عربی وضع کا لمبا کرتہ - کرتے کے اوپر ڈھیلا ساٹخنوں تک دبیز کپڑے کا لمبا جبہ، جس کا گریبان اکثر کھلا رہتا۔ گلے کے گرد ایک لمبار و مال رہتا ، جس کے دونوں کنارے لٹکتے رہتے۔

اخیر عمر میں گلے کے گرد ایک نہایت خوبصورت گندھی ہوئی سیاہ یا براؤن رنگ کی تسبیح ہوتی جو جب نمایاں ہوتی تو سرا پا مزید پرکشش ہو جاتا ۔ ہاتھ میں سبک سی چھڑی۔

باسمه سبحانه

سوانحی خاکہ

ولادت اور ابتدائی زندگ

۱۵ رمضان ۱۳۱۰ھ مطابق 13 اپریل 1892 میرٹھ ، یو۔ پی میں ہوئی۔ والد کا نام مولانا شاہ محمد عبد الحکیم صدّیقی، میرٹھ کے محلہ **مشائخان** میں آپ کا خاندان بہت معزز تھا۔ دینی علوم اور شعر و ادب کا امتیاز تھا۔ محلہ کا نام " مشائخان "سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علاقہ پاک باطن اہل اللہ اور مقدّس گھرانوں کی آبادی تھا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پاک نسل کی روحانی علمی وراثتوں کا امین ، صدق وصفا کا پیکر یہ خاندان اپنی مثال آپ تھا۔ والد ماجد عالم بھی تھے، اور عمدہ شاعر بھی۔ علم باطن اور تصوف میں بھی گہرا شغف تھا۔ والد ماجد کی سر پرستی میں چار سال اور دس ماہ کی عمر میں قرآن پاک ختم کر لیا۔

۱۲ سال کی عمر میں والد ماجد کی شفقت و تربیت کا سایہ اٹھ گیا۔ مولانا شاہ عبد الحکیم صدّیقی کے انتقال کے بعد والدہ ماجدہ نے اس ہونہار صا حبزادے کو اپنی مادرانہ آغوشِ تربیت میں سمیٹ لیا تو دوسری طرف برادرِ بزرگ ، حضرت مولا نا شاہ احمد مختار صدّیقی نے ان کی تعلیمی سرگرمیوں کی سر پرستی قبول فرمائی۔

ابھی آپ سن بلوغ کو نہ پہنچے تھے ، تعلیم اپنے ابتدائی مراحل سے گزر رہی تھی کہ میرٹھ کے مسلمانوں نے 9 سالہ محمد عبدالعلیم صدّیقی کی خفیہ صلاحیتوں کا ایک حیرت انگیز نمونہ دیکھا۔

جامع مسجد میرٹھ کے جلسہ میلا د النبی ﷺ میں مکمل ایک گھنٹہ تک اس ہونہار صدّیقی شہزادے نے اپنے اجدادِ کرام کی روحانیتوں کے فیوض لٹا کر سامعین کو حیرت میں ڈال دیا، اور یہ بھی سب نے دیکھ لیا کہ خطابت کے ذریعہ عوام وخواص کے ذہن کو تسخیر کرنے کا ہنر قدرت نے انہیں کسی قدر وافر ودیعت فرمایا ہے۔

نو عمری سے ہی علم کی تشنگی کا یہ عالم کہ عمر کے سولھویں سال تک پہونچتے پہونچتے درس نظامی کا نصاب مکمل کر لیا، اور **مدرسہ قومیہ عربیہ** میرٹھ سے سند فراغت حاصل کر لی۔ خاندانی روایت نیز اس دور کے رواج کے مطابق اتنی تعلیم خاصی سمجھی جاتی تھی۔ اس کے بعد ذاتی مطالعہ اور تحقیق کا دور شروع ہوتا تھا۔

تعلیم کی نئی سمت

اب مولانا عبد العلیم صدّیقی شعور و فکر کی اس عمر کو پہونچ چکے تھے جہاں سے خود اپنی راہیں بنائی تھیں اور اپنی منزل کا انتخاب کرنا تھا۔ چنانچہ منزل کا جو نقشہ ان کی جدت طراز طبیعت نے مرتّب کیا اس کی ضرورتیں اور تقاضے رسمِ زمانہ سے جدا گانہ تھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ جدید علوم سائنس، ریاضی، طبعیات، جدید فلسفہ و غیرہ سے استفادہ کے لیے انگریزی سیکھنا ضروری ہے ۔ پہلے ذاتی طور پر کوشش کرتے رہے۔ پھر باضابطہ اِٹاوہ ہائی اسکول میں داخلہ حاصل کر لیا۔ ۱۹۱۳ء میں میٹرک پاس کر لیا اور بلا تاخیر ڈویژنل کالج میرٹھ میں گریجویشن کے لیے داخلہ کا فارم بھر دیا اور وہیں سے 1917 میں بی اے پاس کیا۔

یہ وہ سمت تھی جس نے انہیں ایک طرف مغربی علوم و افکار سے آشنا کیا اور دوسری طرف اسلام، امت اسلامیہ، مشرقی علوم دینی روحانی اقدار کے خلاف مغربی سازشوں کا راز افشا

کر دیا۔ ان کی علمی خیانتوں کا پول کھل گیا۔ مسلمانوں کا مغربی علوم اور سائنس پر احسان عرب علماء کے ایجادات اور انسانیت کے لیے ان کی خدمات سے صرف نظر ۔ یہ وہ حقائق تھے جن سے مولانا نہ صرف آگاہ تھے بلکہ ان کی تہہ تک پہونچ کر دنیا کو دکھانا اور بتانا بھی چاہتے تھے۔

خطابت منفرد

9سال کی عمر میں خطابت کے جوہر کھل چکے تھے ۔ وقت کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے علم اور مطالعہ میں وسعت ہوتی رہی ، خطابت بھی اپنی آن بان کے ساتھ نمایاں ہوتی گئی۔ قدرت نے آواز میں ایک خاص نغمگی عطا فرمائی ، جو لہجہ کے اخلاص اور مقصد کی بلندی کے ساتھ مزید سحر انگیز ہو جاتی، اور سماعتوں سے گزر کر دلوں کو چھوتی ہوئی سامعین کو مست و بیخود بنا دیتی ۔ سادہ نثر میں شعر، ترنم کا لطف عطا کرنے والی یہ تقریریں اور تبلیغ اسلام کا ایک انوکھا اور نرالا انداز جس کے مولانا موجد تھے۔ انہیں پر ختم بھی ہو گئے۔

ایک جاپانی مستشرق پروفیسر این ایچ برلاس نے مولانا کی انگریزی تصنیف **کلٹیویشن آف سائنس بائی دی مسلمس** (سائنسی ایجادات میں مسلمانوں کا حصہ) کے مقدمہ میں مولانا کی خطابت کی اثر انگیزی کا ذکر یوں گیا ہے:

”مولانا صدّیقی کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ انہیں منبر سے سنیں، ان کے قد و قامت کی وجاہت اور خطابت کی قوت اثر انگیز اور مترنم آواز اور مقصد کو پیش کرنے کا نہایت سنجیدہ اچھوتا اسلوب“ ۔ (انگریزی سے ترجمہ)

زبان دانی

تذکرہ نگار حضرات نے متعدد زبانوں میں خطابت کا ذکر کیا ہے -اس کا حقیقت پسندانہ تجزیہ یوں کیا جاسکتا ہے ، کہ قدرت نے مولانا کو وسیع قوت حافظہ اخّاذ ذہن عطا فرمایا تھا ، جس کی برکتوں سے وہ جس ملک میں جاتے وہاں کی چند روزہ بود و باش سے بقدر ضرورت زبان خود بخود اخذ فرمالیتے اور پھر تبلیغی ضرورت کے پیش نظر رفتہ رفتہ وہ اظہار خیال کا ذریعہ بن جاتی ۔ رب قادر و قدیر جمادات کو زبان دیتا ہے ، وہ اعلائے کلمہ حق کے لیے اپنے نیک بندوں کو متعدد زبانوں پر قدرت کیوں نہیں عطا فرما سکتا ؟

خدمات اور کارنامے

تعلیم سے فراغت کے بعد مقامی طور پر خدمات کا آغاز تعلیم کے میدان سے ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں تعلیم کی کمی اور کوتاہی کا شدید احساس ، نیز تعلیمی اداروں کا ناقص نصاب تعلیم ، قومی اور ملکی معیار کے تعلیمی اداروں کا فقدان ، متقاضی تھے کہ کوئی شخص پورے جوش و جذبہ کے ساتھ ان مسائل کا مخلصانہ حل تلاش کرے۔

مولانا نے مسلم سیاست میں حصہ ضرور لیا مگر وہ ان کا مزاج نہ بن سکی۔ تعلیم، تبلیغ اور انسانی فلاح و بہبود ان کا اصل مشن تھا۔ چنانچہ روحانیت اور تصوف کی طرف آپ کا میلان طبع شروع سے ہی تھا۔ عمر کے ساتھ ساتھ وہ پروان چڑھتا گیا۔

تقریر اور شاعری دونوں پر یہ رنگ صاف دیکھا جاسکتا ہے۔ آپ کی تصنیف کتاب التصوف بھی اس کا آئینہ ہے۔ تقریروں میں کبھی کبیر داس کے دو ہے پڑھتے اور کبھی خود اپنا کلام۔

ع اے جان جہاں اے روح رواں بس تو ہی رہے اور میں نہ رہوں
میں تجھ میں ہوں گم تو مجھ میں عیاں، بس تو ہی رہے اور میں نہ رہوں

کہتا ہے علیم خستہ جگر دن رات یہی با دیدہ تر

اے جلوہ نمائے کون و مکاں بس تو ہی رہے اور میں نہ رہوں -

نیشنل ھائی اسکول پونا

۱۹۲۰ ء سے ۱۹۲۲ء تک مکمل دو سال ممبئی سے تقریب مہاراشٹرا کے مشہور تاریخی شہر پونا سے اپنی تدریسی جدو جہد کا آغاز فرمایا۔ نیشنل ہائی اسکول پونا کے پرنسپل رہے۔تعلیمی اصلاحات کا خاکہ مرتّب فرمایا اور کام ہونے لگا۔ کیوں کہ اس اسکول کا نصاب تعلیم ، جو مغربی غیر اسلامی ہونے کے ساتھ ساتھ مسلم طلبہ کے لیے نامناسب ہی نہیں بلکہ مضر اخلاق بھی تھا اور یہاں کی تہذیبی اقدار سے متصادم بھی۔

مولانا کی تعلیمی اصلاحات کی کوشش کا آغاز پونا سے ہوا، مگر اس کی تکمیل ملیشیا اور افریقہ میں عظیم الشان اسلامی عربی یونیورسٹیوں کے قیام کی شکل میں ہوئی۔

وقت کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی مسلم سیاست میں اتار چڑھاؤ اور مسلم قوم پر اس کے برے اثرات نے ان کو مضمحل ضرور کیا مگر مایوس نہیں ۔ وہ جہاں بھی گئے وہاں مسلمانوں کو دینی تعلیم کی اہمیت کا احساس دلایا ، کتابیں لکھیں ، نصاب تعلیم مرتّب فرمایا ، جس کا سلسلہ بیرون ہند میں آج تک جاری ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ قومی نظریہ تعلیم ، جس کے ارتقا اور فروغ کے نتیجہ میں علی گڑھ میں **مسلم یونیورسٹی** اور پھر دہلی میں **جامعہ اسلامیہ** قائم ہوئی ، اس نظریہ کے مثبت اول رکھنے والے قائدین میں مولانا سر فہرست ہیں۔ مگر تاریخ میں ان کے نام کا اندراج نظر نہیں آتا۔

راقم الحروف کے اس خیال کو یوں تقویّت ملتی ہے کہ ڈاکٹر ذاکر حسین (سابق صدر جمہوریہ ہند) کا نام مولانا کے قدیم ہم سبق ساتھیوں میں آتا ہے، جو جامعہ ملیہ کے بانی بھی تھے۔

جمیعة العلماء هند کے آغاز میں اس کے ناظم (سکریٹری) رہے، بلکہ اس کے بانیوں میں آپ کا نام موجود ہے۔ سپاس نامہ ممبئی میں اس کا اعتراف کیا گیا ہے -

پروفیسر جلال الدین احمد نوری ،کراچی یونیورسٹی اپنے مقالہ میں رقمطراز ہیں:

"اگر یہ کہا جائے کہ عالم عرب اور مسلمانان عالم کے درمیان سیاسی، اقتصادی اور ایمانی امور در روابط کے فروغ اور ترقی میں مولانا شاہ عبد العلیم صدّیقی میرٹھی سر فہرست نظر آتے ہیں، تو انکار نہیں کیا جاسکتا"۔

آغاز سفر

" درویش خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی"

اندرون ملک سفر کا آغاز ہوا تو پہلا طویل سفر ریاست بھوپال کا ہوا۔ پھر سورت ، ممبئی ، دمّن وغیرہ۔ بیرون ملک برما، رنگون کے دو دورے کالج کی تعلیم کے درمیان ہی ہوئے ۔ پہلا 1914اور دوسرا 1915 میں۔

اس دور کے ہندوستانی جرائد و اخبارات میں مولانا کے مشن کی خبریں پڑھ کر آپ ان کی مخلصانہ جد و جہد کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

- اخبار الامان دہلی - 1936
- الفقیہ امرتسر - 1929
- خلافت ممبئی - 1940
- دبدبہ سکندری رامپور - 1945

یہ بات اس زمانے میں بڑی عجیب لگتی ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ مولانا کا سفرنجی اور ذاتی خرچ پر ہوتا تھا۔ اپنے ایک خط میں جو اخبار الامان دہلی میں شائع ہوا۔ آپ نے چین سے ' **جمعیۃ علمائے ہند** ' کے ورکنگ سکریٹری محمد مظہر الدین کو بھیجا، لکھتے ہیں:

"نذرانے بھی میری بے پروائی و بے توجہی اور اغنیاء کی طرف عدم میلان کے سبب جیسے ملتے ہیں انہیں میں ہی جانتا ہوں ، بے مایہ و بے سرمایہ فقیر محض خدا کے بھروسہ پر اپنی جان کو لیے ہوئے میدان میں چل رہا ہے۔

آپ جیسے احباب نیز قارئین **"الامان"** و **"وحدت"** اگر اپنے اوقات خاص میں اس قدر دعا فرمائیں کہ خدائے قدوس اپنے اس عاجز بندہ سے دہریت کدہ میں اپنے دین کی خدمت اخلاص کے ساتھ انجام دینے کی توفیق بخشے اور گمراہوں کو راہ ہدایت دکھائے، تو مجھے پر خاص کرم ہو گا۔"

سفر حجاز مقدّس

پہلی مرتبہ 1919 میں ہوا۔ اتفاق سے وہاں کچھ ایسا ہوا جس نے آپ کی دلچسپی عرب ممالک کے ساتھ بڑھادی۔

مکہ معظمہ میں قیام کے دوران شریف حسین سے ملاقات کی ، اثنائے گفتگو شریف مکہ نے پوچھا کہ اگر آپ کو یہاں ہماری حکومت میں کوئی شرعی خامی نظر آتی ہو تو مطلع فرمائیں۔ مولانا نے موقع غنیمت سمجھا اور ایک مراسلہ تحریر فرما کر دوسری ملاقات میں پیش فرمایا۔ جس میں ترکی کی عثمانی خلافت کے ساتھ ان کے ناروا سلوک کو ارض مقدّس مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی حرمت کو پامال کرنے کا جرم ،شرعی دلائل کے ساتھ ثابت فرمایا۔ ظاہر ہے اس کا انجام اقتدار کی ناراضگی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ مولانا کے احباب کو خطرہ تھا کہ کوئی عتاب نہ نازل ہو، مگر مولانا پورے صبر و استقامت کے ساتھ راضی بہ رضا الٰہی تھے اور وطن واپسی کے پروگرام میں تبدیلی کر کے ایک سال تک حجاز مقدس میں قیام فرمایا۔ وہاں کے علماء و مشائخ کے ساتھ افادہ اور استفادہ فرماتے رہے۔

بعض عرب نوجوانوں کو انگریزی کی تعلیم دیتے رہے۔ وہاں مقیم عرب اور غیر عرب کو "مشکوۃ" اور " جلالین" کا درس بھی دیتے رہے۔

وہاں کے باشندوں خصوصا مدینہ منورہ کے یتیموں کی فلاح و بہبود کے کام میں دلچسپی لی اور مدینہ منورہ میں دارالایتام قائم فرمایا ۔ اس طرح رفتہ رفتہ وہاں کے ارباب اقتدار کے دلوں میں آپ نے جگہ بنا لی ۔ مولانا کی انہیں خدمات کے اعتراف کا نتیجہ تھا کہ1946 میں جب آپ حج ٹیکس کے خلاف وفد لے کر شاہ سعود سے ملے ،تو اس نے نہ صرف یہ کہ وفد کی پذیرائی کی ، بلکہ حج ٹیکس معاف کرنے کا وعدہ کیا۔

غیر ملکی اسفار کا نا مکمل خاکہ کچھ یوں ہے:

- برما - 1914 اور 1915
- حجاز مقدّس – 1919
- کولمبو میں حنفی جامع مسجد کا سنگ بنیاد - 1923
- حجاز مقدّس -دوسرا حج ادا فرمایا - 1924/ 1925
- برما - 1927
- انڈونیشیا -1927
- ملائیشیا (ملایا) -
- چین (سیام) – 1927
- ماریشس - 1949 , 1939 ,1931/1932 ,1928
- ری یونین -1949
- مڈغاسکر - 1929 / 1928
- سیلون/ سری لنکا - 1929، 1931 اور 1933

- سنگاپور - 1931/1932
- ملائشیا -
- مڈغاسکر -
- حجاز مقدّس - 1933
- کینیا، ممباسا -1935
- ٹرینیڈاڈ -
- فلپائن- 1950/1951
- امریکہ -1950
- کینیڈا

حجاز مقدّس اور سیلون - 1933

حجاز مقدّس کے اس سفر میں مدینہ منورہ میں دار الیتامی قائم فرمایا۔ اس کے علاوہ ایک نہایت اہم تاریخی کام اس سفر میں یہ ہوا کہ نہر زرقاء، جس کو حضرت امیر معاویہ رضي الله عنہ کے عہد حکومت میں مروان نے بنوایا تھا۔ مدینہ منورہ کی ایک قدیم تاریخی نہر جو عرصہ سے بند پڑی تھی ، اس کی صفائی اور مرمّت کے لیے لوگوں کو آمادہ کیا اور اخراجات کی ذمہ داری خود قبول فرمائی تا کہ اہل مدینہ اس نہر سے سیراب ہوں اور ان کی کھیتیاں سرسبز و شاداب رہیں۔ اس سفر میں کولمبو کے قریب شہر مہیر یگاماMaharagama میں ایک دینی درس گاہ قائم فرمائی۔ جس کا نام **"غفوریہ عربی اسکول"** رکھا۔ نیز سیلون میں **مسلم مشنری سوسائٹی** جو پہلے

سے وہاں کام کر رہی تھی ، اس کو مزید فعّال بنانے کے لیے جگہ جگہ اس کی شاخیں قائم فرمائیں ،تا کہ علاقہ کے لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں اور علم دین گھر گھر پہونچ جائے –

کولمبو میں مولانا کے ایک نہایت وفادار کارکن مسٹر جے ماجد نے ایک اسلامی میگزین **'اسٹار آف اسلام'** شائع کیا۔ جس نے وہاں اسلامی لٹریچر کی اشاعت اور عوام میں اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کا کارنامہ انجام دیا۔

سیلون، ملایا ، ماریشس- 1932/1931

اس سفر میں کئی نمایاں کارنامے انجام دیئے۔

سیلون میں تبلیغ کا ایک انوکھا طریقہ ایجاد فرمایا۔ جس کا نام تھا **'گرین پمفلٹ موومنٹ'** (تحریک سبز اشتہار)، اسلامی تعلیمات اورپیغام سبز رنگ کے مختصر اور چھوٹے چھوٹے سائز میں اشتہارات شائع کر کے سارے ملک میں پھیلا دیے گئے۔

سنگا پور سے ایک انگریزی اسلامی میگزین کا اجرا فر مایا۔ جس کا نام **"دی ریل اسلام"** (حقیقی اسلام) تجویز فرمایا، اور یہ معیاری میگزین امریکہ ، برطانیہ اور افریقہ میں کافی مقبول ہوا۔ انگریز بھی اسے شوق سے پڑھتے تھے۔

ملیشیا میں **"آل ملایا مسلم مشنری سوسائٹی"** قائم فرمائی - یہ ادارہ نہایت فعّال اور سنجیدہ مسلمانوں کی جماعت ثابت ہوا۔ جس نے مقامی زبانوں کے مبلّغ تیار کیے اور سارے ملک میں اشاعت اسلام کی خدمت انجام دی۔

اسی سفر میں ماریشش پہونچے اور وہاں ایک مسلم یتیم خانہ کے قیام کی دو ضرورت کے پیش نظر **حلقہ قادریہ اشاعت اسلام** قائم کر کے اس کی انتظامیہ کو اس کام پر لگا دیا۔

برما ، انڈونیشیا : ٹیگوری فتنہ کامقابلہ

1927 برما، رنگون کے سفر کا محرک رابندر ناتھ ٹیگور بنا، جو مشہور ڈرامہ نگار، فلسفی اور شاعر انگریزی اور بنگلہ ادب میں ایک خاص اسلوب کا مالک تھا لیکن اندر سے نہایت متعصب اور دشمن اسلام تھا۔ برما میں اس وقت بنگالی نسل کے ہندو خاصی تعداد میں تھے اور خوشحال تھے ۔ رابندر ناتھ ٹیگور ان کا مہمان تھا۔ اس نے اپنے لیکچر میں مقامی مسلمانوں کو اسلام چھوڑ کر بت پرستی اور ہندومت قبول کرنے کی دعوت دی کہ تمہارے آبا و اجداد کا دھرم یہی تھا۔ یہ مسلمانوں کو ارتداد کی کھلی ہوئی دعوت تھی ۔ جس سے مسلمان نہایت برافروختہ ہوئے ۔ مگر ٹیگور جیسے نام نہاد عظیم فلسفی کو چیلنج کرنے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔

مولانا نے اس کے خطبات میں اٹھائے گئے تمام باطل اعتراضات کا نہایت مدلل تاریخ و فلسفہ کے حوالوں سے بھر پور جواب دے کر نہ صرف اس کی بولتی بند کر دی بلکہ مقامی مسلمانوں کا اسلام قوی اور ایمان تازہ کر دیا۔

مولانا کی تحریک پر انڈو نیشیا کے علماء کی جماعت نہضۃ العلما ء نے ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی ۔جو ملک کی پہلی تاریخی کامیاب ترین موتمر ثابت ہوئی۔ وہاں کی ایک قدیم اور عام مسلمانوں کی تنظیم ،جس کا نام الجمعیۃ المحمدیہ تھا ، کو تازہ دم کر کے عیسائیت اور قادیانیت وغیرہ گمراہ مذاہب سے حفاظت کی مکمل منصوبہ نبدی کر کے انڈونیشیا کو مستقبل

کے خطرات سے محفوظ اسلام کا قلعہ بنا دیا۔ جہاں اب تک بحمدہ تعالیٰ مسلمان اس کے برگ وبار سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اور اپنے محسن کا ذکر نہایت عقیدت و احترام سے دعا گو یا نہ کرتے رہتے ہیں۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

انڈوچائنا

ملایا ،انڈو چائنا ، چین 1935/1936 : قادیانیت بے نقاب

سنگا پور میں ہندوستانی نسل اور چینی نسل کے لوگ آباد ہیں۔ مسلم اقلیت، غفلت کا شکار، دین سے بے خبر ، مادہ پرستی اور کمیونزم کا دور دورہ تھا۔ ان حالات میں مولانا نے سنگا پور کا انتخاب تبلیغی سرگرمیوں کے لیے غالبا یوں فرمایا کہ وہاں سے انڈونیشیا، ملایا، چین تک پیغام رسانی آسان ہوگی ۔ چونکہ ان ممالک پر کمیونزم، نیز قادیانیت کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔ جس سے اسلام پسندوں کی مشکلات میں اضافہ ہو رہا تھا۔ انڈونیشیا کے کچھ جزائر عیسائیت کی زد میں آچکے تھے۔

سنگا پور میں پہلا کام نشر و اشاعت کا شروع فرمایا۔ وہاں کی تاریخ میں مسلمانوں کا پہلا جریدہ **'دی جنیوین اسلام '** (اصلی اسلام) یہ نام غالباً قادیانی لٹریچر سے امتیاز کے لیے تھا۔چونکہ قادیانیت اپنے آپ کو اسلام کے پردے میں چھپا کر پیش کر رہی تھی ۔ ان کے لٹریچر پر بھی 'اسلام' کا لیبل ہوتا تھا۔ اس لیے جہاں ان کا لٹریچر ، پہلے سے موجود تھا وہاں مولانا نے **'دی جنیوین' 'دی ریل '** کا امتیاز رکھا ، تا کہ قادیانی کو حقیقی اسلام نہ سمجھا جائے۔

یہ میگزین انگریزی میں تھا اور ماہنامہ تھا۔ معیار اتنا بلند کہ صحافت کی دنیا میں اسلام کا نمائندہ بن گیا۔ عوام متاثر ہوئے ، اور خواب غفلت سے بیدار ہونے لگے۔ بحمدہ تعالی رفتہ رفتہ لوگ گمراہیوں سے تائب ہوتے گئے۔ اسلام کی روشنی سے ان کے وجود جگمگانے لگے۔

سنگا پور سے انڈو چائنا کا ایک مختصر دورہ مولانا نے جاپان جاتے ہوئے فرمایا۔ اپنے ایک خط میں جو اخبار الامان دہلی کے شمارہ جون 1936 میں شائع بھی ہوا ۔ لکھتے ہیں :

"22 اپریل 1936 کو فرانسیسی جہاز سے راہی جاپان ہوا -24 کو سہ پہر کو جہاز بندرگاہ سیگون(Saigon) پر لنگر انداز ہوا - یہ علاقہ انڈو چائنا کا ایک بڑا بندرگاہ اور فرانسیسی مستعمر ہے ۔ شہر نہایت صاف ستھرا اور بالکل پیرس کا نمونہ بنا ہوا ہے۔ اس علاقہ میں اب تک کوئی خدا کا منادی اسلام کی آواز بلند کرنے کے لیے نہیں آیا۔ پہلا موقع ہے کہ میں ان شاء اللہ تعالی کل ایک جلسہ عام میں انگریزی تقریر کروں گا۔ جس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں ہوگا، پرسوں پھر ایک تقریر ہوگی ، آج دو پہر صرف عربی زبان میں تقریر ہے۔ عرب حضرات کے لیے اور شب کو صرف اردو میں ہندی، پنجابی اور پیشاوری حضرات کی خاطر۔ مدراسی مسلمانوں کو تبلیغ کی طرف روزانہ ایک گھنٹہ شب میں تقریر کرتے ہوئے جس کا ترجمہ تمل زبان میں ہوتا ہے توجہ دلا رہا ہوں "۔

جاپان 1936 : تبلیغ بذریعہ استدلال

جاپان کا دورہ اگر مختصر تھا۔ مگر نہایت موثر ۔ وہاں کی تعلیم یافتہ سوسائٹی کو جو بدھ مذہب کو آبا و اجداد کے دین کے طور پر اختیار کیے ہوئے تھی۔ مولانا کی شخصیت میں نئی کشش نظر آئی ، اور اسلام پر ان کے عقلی اور سائنسی دلائل نے سوچ کی نئی راہ دکھائی۔

چنانچہ جاپان کے مشہور شہر ٹوکیو میں' **دی کلٹیویشن آف سائنس بائی دی مسلمس** (سائنسی ایجادات میں مسلمانوں کا حصہ) کے عنوان پر لکچر دیا۔ جس میں مولانا نے تاریخی حقائق کو اپنے مخصوص اور اثر انگیز اسلوب کے ساتھ اس طرح پیش کیا کہ جاپان کا سنجیدہ ذہن اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کرنے لگا۔

تقریر کے آغاز میں اہتمام کرنے والی سوسائٹی **'دی اورنینٹل کلچرل سوسائٹی ٹوکیو'** کا شکریہ ادا کرنے کے بعد یہ کہہ کر سب کو چونکا دیا کہ اس پلیٹ فارم سے میری تقریر اسلام کے مبلّغ یا مسلمانوں کے مسائل کے وکیل کی حیثیت سے نہیں بلکہ صرف تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ سروے کرنا ہے کہ مسلم اسکالرس نے کیا واقعی سائنس کو کچھ دیا ہے؟

اس کے بعد دوسرے بڑے شہروں میں اوساکا(Osaka)، کرومی(Karume)، راوا(Rawa) اور کوبی، (Kobe) میں بھی تقاریر کا سلسلہ چلتا رہا۔ جاپان میں اللہ ﷻ نے جن لوگوں کے دل اسلام کی طرف مائل کیے ، ان میں اکثریت تعلیم یافتہ باشعور سنجیدہ اور مہذب لوگ تھے ۔ نگویا (Nagoya) میں نئی مسجد کی تعمیر ہوئی۔ مولانا نے اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ دلکش عمارت "نگویا موسک" (Nagoya Mosque) کے نام سے سارے علاقہ میں مشہور ہوئی۔ اور آج تک مرکز اسلام کے طور پر موجود ہے۔ اللہ ﷻ کے دین کے لیے سنگ میل

کی حیثیت رکھتی ہے۔ جاپان کے پر جوش مسلم نوجوانوں کی ایک جماعت کو "الازہر" یونیورسٹی میں ' الداعی' کی ٹریننگ کے لیے جانے پر آمادہ کیا اور اس کے انتظامات فرمائے۔

انڈو چائنا میں تبلیغی کام کا مختصر تذکرہ مولانا نے مظہر الدین صاحب کو لکھے ہوئے خط میں یوں بیان کیا ہے:

"شاندار جلوس کے ساتھ مسجد تک پہونچا۔ یہ مسجد اول 1867 میں مسلمانوں نے تعمیر کی۔ اور اس کفرستان میں یہ پہلا خدا کا گھر ہے ۔ عمارت بوسیدہ ہو چکی تھی۔ اس لیے 1924 میں اس کی جدید تعمیر کا آغاز ہوا۔ مجھے اس کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے ستمبر 1934 میں بلایا گیا تھا۔ مگر میں جنوب افریقہ کے اشد ضروری کام پر چلا گیا تھا ۔پھر 1935 کے وسط میں یاد کیا گیا ۔ مگر اپنی اور اہلیہ کی علالت کے باعث نہ آسکا۔ اب جاپان جاتے ہوئے ان حضرات کا اصرار ہوا۔ پانچ دن کے لیے یہاں ٹھہرا ،کہ نئی بنائی مسجد میں تقریر کروں"۔

اس خط سے معلوم ہوا کہ صرف پانچ دن کے لیے وہاں قیام رہا۔ ان پانچ دنوں میں مولانا نے تنہا کتنا کام کیا ،اس کا ذکر اسی خط کے آخری حصہ میں یوں کیا ہے -بمنہ تعالیٰ اس مدت مختصرہ میں حسب ذیل کام ہوئے:

- ایک **مسلم مشنری سوسائٹی** قائم کی گئی۔ جو آئندہ تبلیغ کے کام کو اس علاقہ انڈو چائنا میں جاری کرے۔
- ۲۳مرد عورت مشرف بہ اسلام ہوئے ۔ جس میں ایک تمل ہند و ۲۲ انّم قوم (Annam) کے افراد ہیں، جن کا دھرم بدھ مت تھا۔

والحمد للہ علی ذلک - جو کام ایک پوری جماعت مہینوں میں نہیں کر سکتی ،مولانانے تن تنہا ۵ دنوں میں کر لیا۔ یہ ان پر اللہ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کا بے پایاں کرم تھا!

حجازِ مقدّس- حج 1937

حج اور زیارت مدینہ منورہ سے فراغت کے بعد مکہ معظمہ میں ،شاہ ابن سعود سے مل کر نو مسلم انگریزوں کو حج کے موقع جو دشواریاں پیش آئیں ان کی شکایت درج کرائی اور آئندہ اس کے ازالہ کا مطالبہ فرمایا۔

سنگاپور 1949 - اتحاد بین المذاہب کانفرنس سنگاپور

1949میں مولانا نے اپنے قیام سنگاپور کے دوارن عیسائیت ، بدھ ازم ،سکھ اور اسلام کو کمیونزم اور الحادی قوتوں کے خلاف ایک اتحادی فورس تیار کرنے کا منصوبہ بنایا۔ یہ مولانا کی تبلیغی حکمت عملی تھی۔ دعوت و تبلیغ کے لیے ضروری تھا کہ لوگ پہلے خدا پرست بن جائیں۔ چنانچہ مشہور مذاہب کے لیڈروں کو جمع کر کے آپ نے کمیونزم کے خطرہ سے آگاہ کیا۔ اور دفاع کے لیے ایک نظام مرتّب کر کے مشترکہ دشمن کے خلاف صف آرا کر دیا۔ سنگا پور کے اخبار **اسٹریٹس ٹائمز** (The Straits Times)نے رپورٹ شائع کی:

"کمشنر ایف میک ڈونالڈ نے صدارت کی اور اس کانفرنس کو 'اپنی نوعیت کی پہلی اور نہایت ضروری' قرار دیا۔ تمام مذاہب کے لیڈروں نے اتفاق کیا اور اپنے تعاون کا یقین دلایا"۔ [اسٹریٹس ٹائمز سنگاپور ہفتہ 19مارچ 1949]

اس تحریک کا فوری نتیجہ نہایت مثبت نکلا اور الحادی قوتوں کی پسپائی بھی ہوئی -آئندہ پھر یہ اتحاد دیر پا نہیں رہا، مگر مولانا کی تبلیغی حکمت عملی کے نتیجہ میں اسلام کے مخالفین کی قوت تقسیم ہوگئی اور دوستانہ ماحول ملنے لگا۔

نیز اسی سلسلہ میں جنوری ۱۹۵۰ء میں قاہر، مصر، کیتھولک چرچ کے پوپ دوازدہم,(XII) کو جو ویٹکن روم کے ہیڈ کوارٹر میں سب سے با اختیار شخصیت تھا، ایک مراسلہ بھیجا۔ جس میں مسیحی دنیا کو کمیونزم ، مادہ پرستی اور الحاد کے بڑھتے ہوئے اثرات سے آگاہ فرماتے ہوئے اس کے خطرناک نتائج کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور مذہبی قوتوں کو صرف خدا پرستی کی بنیاد پر یک جا ہونے کا مشورہ دیا۔

یہ خط ۲۰ جنوری ۱۹۵۰ء **'مشارع البستانی'** قاہرہ، مصر سے روانہ کیا گیا۔ جہاں مولانا کا قیام اپنے دوست الحاج محمد سالم کے یہاں تھا۔ بعد میں یہ خط اخبارات میں شائع بھی ہوا۔

فلپائن1949 /1950 : تندیٔ بادِ مخالف ...

ایک غریب پسماندہ قدرتی آفات کے خطروں میں گھرا ہوا ملک جو چند جزائر پر مشتمل ہے، زمانہ قدیم میں مسلمان اکثریتی ملک تھا۔ اسپین نے مسلم حکمراں کو شکست دے کر فلپائنی جزائر پر قبضہ کر لیا، اور جبری ارتداد کے ذریعہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی مہم کا آغاز کیا۔ سپین طاقتور بھی تھا اور دولتمند بھی۔ متعصب رومن کیتھولک عقائد کا حامی تھا۔ سو سال ان کی حکمرانی رہی، اور اس عرصہ میں انہوں نے تقریبا ۸۰ یا ۹۰ فیصد مسلمانوں کو مرتد بنادیا۔ خوش قسمتی سے بعض جزائر ،جہاں کی آبادی عربی النسل مسلمانوں پر مشتمل تھی گھنے جنگل میں سادہ قبائلی زندگی گزارتے تھے اور اسلام پر راسخ العقیدہ تھے، وہ اپنا ایمان بچانے میں کامیاب رہے۔

وہ برطانوی اور امریکی استعمار سے برسر پیکار رہے۔ مرتے مارتے رہے، مگر ہتھیار نہیں ڈالے۔وہ مسلم دنیا سے بالکل کٹے ہوئے تھے ۔ کسی کو ان کی خبر نہ تھی۔ نہ کوئی ان کی مدد کو آسکتا تھا۔ نہ وہ کسی سے مدد مانگنے جاسکتے تھے۔

اسی درمیان اپنے طویل عالمی تبلیغی دورہ میں مولانا عبد العلیم صدّیقی فلپائن جاپہونچے۔ کیتھولک فرقہ کے متعصب عیسائی ہر طرف چھائے ہوئے تھے۔ مولانا کے ساتھ ان کے داماد ڈاکٹر انصاری مرحوم بھی تھے۔ انہوں نے اپنے ایک مقالہ میں جو مینارٹ (Minaret) انگریزی میں شائع ہوا، لکھتے ہیں:

"1949 میں مولانا کے عالمی تبلیغی دورہ کے درمیان ہم فلپائن کے مرکزی شہر کوٹا باٹو (Cotabato)آئے۔ جہاں تقریب کے بعد لکچر کا پروگرام تھا۔ یہ جلسہ ایک کھلے میدان میں ہونے والا تھا۔ ظہر کے بعد اچانک موسم تبدیل ہو گیا ۔ آسمان ابرآلود ہونے لگا۔ ہر طرف سیاہ بادل چھانے لگے۔ اندھیرا پھیلتا گیا۔ میں نے ان کے کمرہ میں جا کرموسم کا حال بتایا۔ نہایت اطمینان سے انہوں نے فرمایا:

"بیٹا! اللہ کا پیغام پہونچانے آئے ہیں۔ بادل ہو یا بارش سب اس کے حکم کے باندھے ہیں۔ اگر اس کی مرضی ہے کہ ہم اس کا پیغام اس کے بندوں تک پہونچائیں تو موسم بدل جائے گا۔ " [انگریزی سے ترجمہ Minaret 1985]

اب وقت آگیا تھا کہ سلطنت مصطفےٰ ﷺ کا یہ نمائندہ اپنے سلطان کی حکمرانی کا جلوہ دنیا کو دکھائے ۔ چنانچہ ڈاکٹر انصاری مرحوم لکھتے ہیں:

"مغرب کے بعد ہم لوگ جلسہ گاہ پہونچ گئے ۔ کافی بڑا اور کھلا گراؤنڈ تھا، جو سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ گورنر جلسہ کا صدر تھا اور چیف جسٹس بھی وہاں موجود تھا۔ مولانا نے لکچر شروع فرمایا اور فوراً بارش کی بڑی بڑی بوندیں پڑنے لگیں۔ مجمع اٹھنے لگا ، مولانا نے تقریر روک کر فرمایا:

"دوستو! آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ بارش ابھی فوراً رک جائے گی"۔ اور واقعی بارش بالکل رک گئی۔ پھر مولانا نے مزید فرمایا:

"یہ بارش اس وقت تک ٹھہری رہے گی ، جب تک یہ جلسہ جاری رہے گا اور جلسہ ختم ہونے کے بعد آپ کے پاس دس منٹ ہوں گے تا کہ آپ گھر چلے جائیں "۔ جب تک جلسہ ہوتا رہا بارش بالکل تھمی رہی ، پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں گرا ، ڈیڑھ گھنٹہ تک مولانا کا لکچر ہوا۔ مجمع بالکل ساکت و جامد بیٹھا رہا۔ بادلوں کی گھڑ گھڑاہٹ اور بجلیوں کی چمک درمیان میں ہوتی رہی۔ مگر سامعین مطمئن رہے۔ مولانا کی روحانی قوت کا تماشہ دیکھتے رہے۔ لکچر ختم ہوا۔ چیرمین نے سب کا شکریہ ادا کیا۔ جلسہ برخاست ہونے کا اعلان کیا۔ اب مجتمع مولانا کی طرف مصافحہ کرنے کے لیے لپک رہا تھا۔ مولانا کی آواز پھر گونجی :

"دوستو! برائے مہربانی آپ کے پاس ۱۰ منٹ ہیں۔ جلد گھروں کی طرف لوٹ جائیں ، میں بھی اپنے ہوٹل جا رہا ہوں"۔

ٹھیک دس منٹ بعد موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ اگلی صبح سڑکوں پر تقریبا دوگز اونچا پانی بھرا ہوا تھا۔ ہزاروں کیتھولک عیسائی یہ کرامت دیکھ کر ایمان لائے ۔ یہ سلطنت مصطفے ﷺ کے اس نمائندے پر مصطفیٰ کریم ﷺ کا خصوصی کرم تھا۔

بحمدہ تعالیٰ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیت پر بند لگ گیا۔ اب ان میں کھل کر عیسائیت کی تبلیغ کی جرات دم توڑنے لگی۔ مسلمانوں کا حوصلہ بلند ہوتا گیا۔ پادریوں کی دوکان سونی ہوتی گئی۔ چرچوں کی بھیڑ بھاڑ چھٹنے لگی ، مساجد کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہر جگہ قرآن پاک کی تعلیم کے لیے مدارس اور مکاتب قائم ہونے لگے ۔

دورہ امریکہ 1950- مبلّغ اسلام کا اسلامی احیاء

امریکہ کا سفر پہلی مرتبہ1950 میں ہوا جس کی کچھ تفصیل اس پمفلیٹ سے معلوم ہوتی ہے جو' **دی مسلم سوسائٹی آف امریکہ** ' نے مولانا کے وہاں آنے پر شائع کیا۔ انگریزی میں یہ پمفلیٹ تعارف اور خدمات کی تفصیل ، امریکہ میں منعقد ہونےوالے پروگرام کے اعلان پر مشتمل ہے:

"بدھ 19 اگست ۱۹۵۰ء کو ۵ بجے شام مولا نا عبدالعلیم صدّیقی، امن اور بھلائی کے سفیر ، پان امریکن ایرویز (Pan American Airways) کے طیارہ کے ذریعہ ٹرینیڈاڈ (Trinidad) سے امریکہ پہونچے۔ یہ کسی نئے فرقہ کے مبلّغ نہیں۔ بلکہ اہلسنت والجماعت کے نمائندہ ہیں۔ انگریزی اور جدید علوم کے مانے ہوئے اسکالر ہیں۔ الازہر یونیورسٹی نے آپ کے قاہرہ آنے پر استقبال کیا۔ اورآپ کے اعزاز میں استقبالیہ جلسہ رکھا۔ مولانا امریکہ کے لوگوں کو امن وسکون کا پیغام سنانے اور یہاں

کے مسلمانوں کو روحانیت کی تعلیم دینے آئے ہیں۔ مولانا کمیونزم اور الحاد کے سخت مخالفین میں سے ایک ہیں۔ مولانا کے سلسلہ وار لکچر امریکہ اور کناڈا میں ہوں گے۔ مولانا کا پروگرام '**اسلامک مشن آف امریکہ**' نے مرتّب کیا ہے ۔ 24 اگست کو مولا نا نیو یارک سے واشنگٹن روانہ ہو جائیں گے۔ ملاقات کے بعد ینگسٹاؤن، اوہائیو (Youngstown, Ohio) کے لیے روانہ ہوں گے۔ جہاں مسلم کنونشن میں شرکت کریں گے۔ جہاں مصر اور پاکستان کے سفیروں سے ملاقات کریں گے" ۔

[انگریزی سے محض ترجمہ]۱۹

۱۹۵۰ء میں امریکہ ابھی سپر پاور نہیں بنا تھا۔ روسی کمیونزم کا خطرہ اس کے سر پر منڈلا رہا تھا۔ قادیانی اور بہائی وغیرہ گمراہ فرقے بنام اسلام امریکہ کی حمایت کا فائدہ اٹھارہے تھے۔ اس ماحول میں مبلّغ اسلام کا امریکہ میں نفوذ اور وہاں حقیقی احیاءاور گمراہ فرقوں کے ابطال کا بہترین موقع تھا۔ جس کے بعد وہاں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ اور حقیقی اسلام کو رفتہ رفتہ فروغ حاصل ہوتا گیا۔ سیاسی طور پر اس وقت امریکہ ہر اس تحریک کی حمایت کرتا تھا۔ جو روس مخالف ہو، کمیونزم دشمن ہو۔

سیاہ افریقہ میں
اسلام کا
اجالا

افریقہ جنوب (Southern Africa) اور مشرقی افریقہ 1934/35

موزمبیق ، زنجبار، کینیا، ساؤتھ افریقہ

اسلامی تاریخ میں ''افریقہ'' اپنی گوناگوں خصوصیات اور بدلتی ہوئی سیاسی صورت حال کی وجہ سے بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ جب یورپ کی طاقتیں افریقہ پر اپنا قبضہ جمانے کے لیے باہم نبرد آزما ہونے لگیں، تو اس سے اسلام کے لیے عدم استحکام کی صورت پیدا ہوئی۔ اٹلی، فرانس، جرمنی، ڈچ، برطانیہ، پرتگیز ہر ایک افریقہ پر اپنا تسلط چاہتی تھی۔ وہاں ان کے مادی مفادات تھے۔ سیاہ فاہ نسل کے افریقی مسلمان ، راسخ العقیدہ اور صبر و استقامت کے خوگر تھے۔ عرب تہذیب اور دینی اقدار کی جڑیں ان میں گہری تھیں ۔ مغربی استعمار نے ان سے سب کچھ چھین لیا۔ مگر بحمدہ تعالیٰ اپنا یمان بچالے جانے میں وہ کامیاب رہے۔

اسلام غلامی اور غلاموں کی خرید و فروخت کو یکلخت مٹا دینے پر کمر بستہ تھا، مگر استعماری قوتیں اور مغربی اقوام اپنے مادی مفاد اور معاشی استحصال کی خاطر اس کے فروغ میں کوشاں تھیں۔

غلاموں کی خرید و فروخت کی لعنت کا ایک مثبت پہلو اسلام کے حق میں یہ نکلا کہ افریقی مسلم غلام، جہاں بھی فروخت کیے گئے یا خریدے گئے ان کے ساتھ ساتھ اسلام چلتا رہا۔ ان کا انگریز آقا جب ظلم ڈھاتا اور جبر کرتا تو بے ساختہ ان کے ہونٹوں پر اللہ کا نام آتا۔ پیروں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں زنجیریں تھیں، مگر ضمیر آزاداور قلب و نظر نور توحید سے روشن ؏

توحید متاع است کہ بردار فروشند
گل نیست کہ در کوچہ و بازار فروشند

پھر یہ جذبہ استقامت فروغ پا کر تبلیغِ اسلام کی راہ ہموار کرتا اور دوسروں کے لیے اسلام میں کشش پیدا کرتا رہا۔

مولانا افریقہ کے ملکوں میں آتے جاتے رہے۔ زیادہ قیام ماریشش میں ہوتا۔ وہاں پورا جزیرہ مولانا کی خدمات سے مسخر ہوتا گیا۔ گویا کہ آپ وہاں کے روحانی رہنما تسلیم کر لیے گئے ۔ جس کے اثرات پڑوسی ملکوں خصوصا ساؤتھ افریقہ تک ہوئے۔

پہلی مرتبہ 1934 میں مولا نا ساؤتھ افریقہ آئے ۔ پروگرام دوسرے ملکوں کا بھی تھا۔ اس لیے قیام مختصر رہا۔ ڈربن میں مسٹر محمد ملکی نے جو میرٹھ میں کچھ عرصہ رہ کر مولانا سے استفادہ کر چکے تھے، اور تبلیغِ دین کا جذبہ بھی رکھتے تھے واپس آکر اشاعتِ اسلام کی خاطر ایک اشاعتی ادارہ " ملکی پبلی کیشن "کے نام سے قائم کیا۔ خود اپنا پریس خریدا۔ اس ادارہ کے افتتاح کے لیے مولانا کو دعوت دی۔

مولانا نے افتتاح کے موقع پر ایک اسلامی میگزین اور مختلف عنوانات کے دینی پمفلٹ شائع کرنے کا منصوبہ دیا۔ ڈربن کی جامع مسجد میں اردو میں تقریریں فرمائیں۔ پریٹوریا میں کاٹھیاواڑی میمن حضرات کے یہاں پرائیویٹ جلسے بھی ہوئے ۔ ڈچ حکومت کا دور تھا نسلی امتیاز کا قانون سخت تھا۔ مسلمان تعداد میں تھوڑے اور ہندوستانی نسل کے ہی تھے۔ دینی تعلیم کا کوئی خاص انتظام نہ تھا۔ یہ ضرورتیں ایسی تھیں، جن کے لیے کافی وقت چاہیے تھا، اور مولانا کے پروگرام میں فی الحال گنجائش نہ تھی۔

موزمبیق

افریقہ کے جنوب ،مشرقی ساحل پر واقع یہ افریقی ملک قدرتی ذخائر سے مالا مال ہے۔ Lourenco Marques ”لورنزو ماکس“ (اب ’میپو ٹو‘) دار السلطنت ہے، نہایت پر فضا عمدہ آب و ہوا۔

پرتگالیوں کی حکومت تھی۔ مقامی افریقی نسل،جن میں مسلم بھی تھے اور عیسائی بھی ، اکثر لامذہب قبائل اور روایتی طرز زندگی میں گرفتار۔ یہاں اسلام ،تاریخ کے مطابق عرب تاجروں اور سیاحوں کے ساتھ آچکا تھا۔ متعارف تھا۔ ”میپوٹو“ میں عظیم الشان مسجد ،میمن حضرات کی بنوائی ہوئی موجود تھی۔ مولانا کے برادر بزرگ حضرت مولانا احمد مختار صدّیقی اس کے محترم خطیب تھے۔ مقامی افریقی جن میں مسلمانوں کی خاصی تعداد تھی دیہاتوں میں خستہ حال اور غربت و افلاس کا شکار تھے۔ مولانا نے ان کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔ ان کے خفتہ جذبات کو بیدار کیا، صبر و استقامت کی دعائیں فرمائیں ۔ شہروں میں جانے اور چھوٹی موٹی تجارت شروع کرنے کا مشورہ دیا-کاٹھیا واڑی میمن تاجروں سے ان کی مالی مدد کرنے اور تجارت میں لگانے کی اپیل کی۔

میپوٹو کے قریب ایک گاؤں میں راقم الحروف کو جانے کا اتفاق ہوا۔ سڑک سے اتر کر کچے راستہ پر ایک ضعیف العمر بزرگ نظر آئے اور سلام و دعا کے بعد مجھ سے وطن پوچھا۔ ہندوستان کا نام سنتے ہی ان کا چہرہ کھل اٹھا- فوراً مولانا عبدالعلیم صدّیقی کا نام لے کر پوچھا ،”جانتے ہو“؟ اثبات میں جواب پا کر، میرا ہاتھ پکڑا اور ایک درخت کے قریب لا کر کھڑے ہو گئے۔ پھر کچھ عربی کچھ انگریزی میں بتاتے رہے کہ حضرت یہاں تنہا ائے تھے، اور اس درخت کے نیچے کھڑے ہو کر قرآن کی تلاوت کرنے لگے۔ جس کی آواز گھروں میں سنی جارہی تھی۔

لوگ ، مرد، بچے ، عورتیں نکل نکل کر یہاں جمع ہونے لگے۔ پھر انہوں نے وعظ شروع کیا۔ پھر 'آخرت پر ایمان' کا مفہوم سمجھایا۔ بہت سے مسلمان رونے لگے۔ ان کے ہاتھ پر توبہ کی ۔ جو مسلمان نہیں تھے کلمہ پڑھا۔

ع تزا عاشق شود پیدا ولے مجنوں نہ خواہد شد

زنجبار 1935

مشرقی افریقہ کے ساحل پر واقع، زنجبار ایک برطانوی محافظ اور خود مختار جزیرہ تھا۔ جس کا حکمراں مسلمان ہوا کرتا تھا۔ زبان عربی تھی۔ اسلامی عربی تہذیب اپنی پوری خصوصیت کے ساتھ موجود تھی ۔ **سلطان آف زنجبار** نے مولانا کو دعوت دے کر بلایا۔ شاہانہ استقبال کیا۔ مولانا ، وہ پہلے مسلم لیڈر اور دینی رہنما تھے ، جن کو یہ اعزاز حاصل ہوا۔

مولانا نے سلطان کے ساتھ اپنی خصوصی میٹنگ میں مسلم قوم کے مسائل ، تبلیغ کے راستہ کی رکاوٹیں مغرب کی استبدادی قوتوں کے فروغ اور قادیانیت کے افریقی ممالک میں نفوذ وغیرہ پر سیر حاصل گفتگوفر مائی، اور اپنے آئندہ کے منصوبوں سے سلطان کو آگاہ کیا۔

جزیرہ ماریشش

1939/ 1938 :دس سال قبل ماریشش کا ایک دورہ ہو چکا تھا۔ دسمبر ۱۹۲۸ء میں پہلی مرتبہ سیٹھ عبد الرزاق محمد صاحب جو اس وقت پورٹ لوئس کے میئر بھی تھے اور بڑے تاجر بھی ، کی مسلسل کوشش اور دعوت پر مولانا صاحب ماریشش رونق افروز ہوئے ۔ جس کے بعد اس جزیرہ کی کایا پلٹ گئی ۔ کولمبو سے بحری جہاز کے ذریعہ Port Louis پورٹ لوئس پہونچے۔

گاؤں گاؤں اور قصبہ میں تقریریں فرمائیں۔ ہزاروں کی تعداد میں توبہ اور بیعت و ارشادات سے عوام فیضیاب ہوئے ۔ اس زمانے میں قادیانیت کا فتنہ سر اٹھارہا تھا۔ یہاں کے بھولے بھالے مسلمان کشمکش میں تھے۔ مولانا کے حکیمانہ اور عارفانہ مذاکرات نے ہمیشہ کے لیے اس گمراہ فرقہ کی جڑیں کاٹ دیں۔ اور لوگوں کا ایمان محفوظ ہو گیا۔

"اللہ کی توحید" کے عنوان پر، پیر محمد کے بنگلہ پر ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا۔ عوام کے علاوہ خواص کی بڑی تعداد اس عنوان پر خطاب سننے کے لیے مدعو کی گئی تھی۔ **ٹاؤن ایریا بورڈ** کے پریزیڈنٹ مسٹر الفریڈگل کے .سی. فرانسیسی نے صدارت کی۔ لکچر انگریزی میں تھا، اور انگریزوں کی رائے کے مطابق 'توحید' کا حقیقی معنی پہلی مرتبہ اس خوبی سے واضح کیا گیا کہ انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ ماریشش کے چپے چپے پر مولانا کی عقیدت و محبت کا علم لہرانے لگا۔ تقریروں میں جیسا مجمع ہوتا، حاضرین کے ذوق اور ان کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو فرماتے۔ گاؤں میں جاتے اور حاضرین ہندوستانی نسل کے ہوتے تو کبھی بھوج پوری زبان میں اصلاحی وعظ فرماتے۔ خواتین کی اصلاح پر بھی خاص توجہ رہی۔

ماریشش کادوسرا دورہ - 1931

26 ستمبر 1932 کوانڈونیشیا سے براہ راست وارد ماریشش ہوئے۔ اس وقت یہاں کے مسلمان تاجروں اور قومی رہنماؤں کو فائنانشل کمشنر کے پاس کسی قومی مسئلہ کے حل کے لیے، وفد لے جانا تھا اور اس کی قیادت مولانا کو کرنی تھی۔ چنانچہ مولانا نے نہایت حسن تدبیر سے اس معاملہ کو حکومت تک پہونچایا۔ جس کا فائدہ مسلمانوں کے حق میں یہ ہوا کہ جب مسلم یتیم خانہ قائم ہوا تو حکومت کی طرف سے بھی مالی امداد ملی۔ اس سے فارغ ہو کر مولانا نے تبلیغی

ملاقاتیں اور دورے کیے۔ محرم کا مہینہ آگیا۔ پہلے عشرہ محرم میں دس مسلسل تقریروں کا سلسلہ شروع فرمایا۔ جو روزانہ مقامی ریڈیو پر نشر ہوتی تھیں۔ مسلم ،غیر مسلم سبھی بڑے ذوق وشوق سے بلاناغہ یہ خطاب سنتے تھے۔ اور واقعات کربلا سے سبق اور عبرت حاصل کرتے تھے۔ اس دورہ کی رپورٹ اخبار" الفقیہ امرتسر" نے اپنی14 مارچ 1933 کی اشاعت میں شائع کی۔ جس کا عنوان تھا:

جزیرہ ماریشش میں آفتاب اسلام کی ضیا باریاں، ایک انگریز جہازراں افسر نے اسلام قبول کیا۔

"حضرت مولانا شاہ عبد العلیم صدّیقی متوطن میرٹھ ہندوستان ،کے جزیرہ ماریشش میں تشریف لانے سے تمام جزیرہ میں عجیب و غریب برکات کا نزول ہو رہا ہے۔ تمام جزیرے کی تنظیم کی جاچکی ہے، اور تمام مسلمانان جزیرہ کی ایک متحدہ جمیعة بنا لی گئی ہے ۔ ہر مسجد نمازیوں سے معمور ہو گئی ہے۔ ایسی بستیوں میں جہاں نہ کوئی نمازی تھا ، نہ نماز کی جگہ ،مسجدیں تعمیر ہو رہی ہیں۔ غیر مسلمین بھی جوق در جوق حضرت مولانا کے پُر اثر مواعظ کو سننے کے لیے آتے اور جن کی قسمت میں ہدایت ہے وہ اسلام لاتے ۔ یوں تو اس وقت تک بہت سے ہندو، عیسائی، مرد، عورت مولانا کے فیض تقریر سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام بن چکے ہیں۔ لیکن حال ہی میں 6 جنوری 1933 کی شام کو 'یونین لائن' کے جہاز کا ایک انگریز افسر جہاز کے بندرگاہ پر لنگر انداز ہونے کے سبب مسجد جامع پورٹ لوئس کو دیکھنے کے لیے مسجد مذکور میں آیا اور اتفاقا حضرت مولانا کی زیارت سے مشرف ہوا ۔مختصر گفتگو کے بعد حضرت مولانا

نے باتوں ہی باتوں میں اس قدر دلکش انداز میں اسلام کی صداقت اور سادگی کو اس کے سامنے پیش کیا کہ، اس کو اسلام قبول کیے بغیر کوئی چارہ نہ رہا - [الفقیہ امرتسر]

ماریشش کا تیسرا دورہ- 1939

اس دفعہ دو نہایت اہم کام انجام پائے - ایک یہ کہ آپ نے مطالبہ کیا کہ مسلم پرسنل لاء، نکاح ، طلاق، میراث کا شرعی قانون مسلمانوں کے لیے نافذ العمل ہوا اور حکومت اس کا انتظام کرے۔ مولانا نے اس کا مکمل خاکہ تیار کر کے حکومت سے مذاکرات کیے اور درخواست منظور ہوگئی - اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے لیے اوقاف کا اسلامی قانون بھی ان کی مساجد و دینی اداروں کے حق میں منظور کروایا-

ماریشش کا آخری سفر - 1949

ماریشش کا آخری سفر مئی 1949 میں ہواتھا۔ تین ماہ تک قیام رہا -اگست کی 12 تاریخ کو(Reunion)**ری یونین** کے لیے روانہ ہوئے۔اس سفر کی مکمل روداد انگریزی میں باتصویر **حلقہ قادریہ اشاعت اسلام** نے ایک سونیر (souvenir)کی شکل میں انگلینڈ سے چھپوا کر شائع کی تھی۔ جس سے ماریشش میں اسلام کا لگایا ہوا ہر پودا سر سبز و شاداب برگ و بار دیتا ہوا نظر آتا ہے - گویا اسلام اس جزیرہ کا فاتح ہے، اور مبلّغ اسلام اس کے قائد -

اب جدائی کا وقت آگیا تھا - چنانچہ 7 اگست 1949 کی تاریخ، الوداعی تقریب کے لیے مقرر ہوگئی-**حلقہ قادریہ اشاعت اسلام** نے جو حضرت مولانا کے مریدین و متوسلین کی جماعت ہے، تقریب کا اہتمام شروع کر دیا۔ دعوت نامے تقسیم ہونے لگے۔ بالآخر وقت مقررہ پر جامع

مسجد کے عظیم الشان ہال میں جملہ مریدین و متوسلین جن کی تعداد 1949 تک ۱۰,۰۰۰ سے متجاوز ہو چکی تھی، کا اجتماع ہوا۔

جناب اے۔ آر. محمد صاحب نے الوداعی تقریر کی۔ اس موقع پر مولانا نے مریدین کو مشورہ دیا کہ وہ لوگ علاقہ میں تبلیغ واشاعت کے کام کے لیے ایک علاحدہ فنڈ، **تبلیغ فنڈ** قائم کریں ۔ سب نے اس پر لبیک کہی اور فورا ۲۵۰۰ کا چندہ جمع کر کے "تبلیغ فنڈ قائم" کر دیا۔

مختلف علاقوں میں مسلمانوں کی چھوٹی بڑی تنظیموں اور اداروں کو دعوت دے کر بلایا۔ مولانا نے ہر ایک کی حوصلہ افزائی فرمائی اور انگریز بھی پیچھے نہیں رہے۔ جزیرہ کے اس علاقہ میں جہاں اکثریت انگریزوں اور حکومت کے افسران بالا کی ہے ، وہاں کے سِول کمشنر نے مولانا کوان کی قومی خدمات اور جزیرہ پر ان کے روحانی فیوض کے اعتراف میں دعوت دی اور تقریب رکھی۔ تمام عہدیدار فوج اور سِول سروس کے افسران ،برطانوی کمپنیوں کے منیجر گویا انگریز حکمراں طبقہ کا دل و دماغ ،مولانا کو دیکھنے اور سننے کے لیے وہاں اکٹھا تھا۔ مولانا نے اس موقع پر مادہ پرست اور مادیت نو از لوگوں کو انہیں کی زبان میں خالق کل کی یاد دلائی ، اور پوری صدّیقی شان استغناءکے ساتھ فرمایا :

"یہ زندگی بہر حال ختم ہونے والی ہے۔ اس لیے زندگی کے دینے والے کو ہمیشہ یاد رکھو۔ دنیا کی تمام مشکلات خدا کو بھلا دینے کے سبب سے ہیں۔ اس کو ناراض نہ کرو۔ وہ تم پر رحمت نازل کرے گا - "(انگریزی ترجمہ)

جدائی کی گھڑی آئی ۔ 12 اگست 1949کو روانگی ہے۔ غمناک آنکھیں اور افسردہ دل لیے لوگ ملاقات کے لیے آتے جاتے رہے۔ سب کے لیے دعائیں، سب کے لیے ہدایتیں۔ ایسی

ہدایات جو دنیا و آخرت میں سرخروئی کا سبب بنیں ۔ ایر پورٹ سے روانہ ہونے سے پہلے دوستوں اور عقیدت مندوں کے ہجوم کو سلام اور دعا کے ساتھ رخصت فرمایا۔

ع رشتہ در گردنم افگندہ دوست می بردہر جا کہ خاطر خواہ اوست

حسن تقریر

مولانا نے دعوت و تبلیغ کی خاطر تقریروں سے بڑا کام لیا۔ ایک پوری جماعت کا کام تنہا کرنے میں یہ سب سے بڑا آلہ کار ثابت ہوئیں۔ قدرت کا بڑا انعام تھا، لوگ باگ اسے فن اور ناموری کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ مولانا نے اس عطیہ الٰہی کا بالکل صحیح استعمال کرتے ہوئے اسے دینِ اسلام کی تبلیغ کے لیے استعمال فرمایا۔ فارسی، عربی، انگریزی ، اردو میں ان کی تقریروں کے باضابطہ شواہد ملتے ہیں۔ یہ زبانیں آپ نے باضابطہ سیکھی تھیں۔

فارسی - چنانچہ فارسی تقریر کے لیے ایک شاہد حضرت، مولانا محمد اطہر نعیمی جو کہ جامعہ نعیمیہ کراچی میں مدرس ہیں اور حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی مراد آبادی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے ہیں اپنے مقالہ میں رقمطراز ہیں:

"ایک مرتبہ کراچی تشریف لائے تھے۔ آرام باغ میں ان کے اعزاز میں جلسہ ہوا۔ اس میں حضرت مولانا نے برجستہ فارسی میں اس انداز میں تقریر فرمائی تھی ، جس طرح اہلِ زبان تقریر کرتے ہیں"۔

عربی -عربی میں تقریر کا ذکر مولانا نے خود بھی اپنے مراسلہ میں فرمایا ہے، اور اہل عرب بھی شاہد ہیں۔

انگریزی - انگریزی تقریروں پر تبصرہ کرتے ہوئے ساؤتھ افریقہ کے ایک اسکالر پروفیسر یاسین محمد ،**لکچرار کیپ ٹاؤن یونیورسٹی**، جنہوں نے حال ہی میں مولانا پر انگریزی میں ایک سو

پینتالیس 145 صفحات پر مشتمل کتاب "دی رووِنگ امبیسیڈر آف پیس " مرتّب کی ہے، لکھتے ہیں :

"مولانا پہلے سے تیار کی ہوئی تقریر نوٹس کی مدد سے کبھی نہیں کرتے، قرآن وحدیث سے برجستہ حوالے دے کر دلیل قائم کرتے ہیں ۔ بیجا جوش یا شور سے گریز کرتے ہیں۔ تصنع اور تکلف سے کوسوں دور، انگریزی معیاری بولتے، اسلوب ان کا ذاتی ہوتا ،کسی کی نقل بھی نہ کرتے ، آواز میں اُتار چڑھاؤ مضمون کے مطابق جذباتی ہونے کے باوجود جسم کو حرکت نہ دیتے ۔ سارا دباؤ قلب و روح کی طرف رہتا۔ سامعین کبھی اکتاہٹ کا شکار نہ ہوتے ،کسی کا مذاق نہ اڑاتے، تنقید اور طنز بھی نہایت خلوص اور سنجیدگی سے کرتے ، کبھی کسی کو ناگواری کا احساس نہ ہونے دیتے، بلکہ اس کے خفتہ ضمیر کو بیدار کر کے دوبارہ سوچنے اور اپنا خیال تبدیل کرنے کا موقع دیتے ۔"

[انگریزی سے محض ترجمہ]

اردو - بالکل یہی معاملہ اردو تقریروں کا بھی ہے۔ جو راقم الحروف نے کیسٹ کی مدد سے سنیں۔ بار بار سننے کو جی چاہتا ہے۔

انگریزی تقریریں کیسٹ کی مدد سے لکھی گئیں، اور ساؤتھ افریقہ میں دو اداروں نے شائع کیں، جو عوام و خواص میں کافی دمقبول ہیں۔ دوسرا مجموعہ " **دائی منشن آف اسلام** "کے نام سے دو جلدوں میں رضا اکیڈمی ڈربن نے شائع کیا ہے۔ یہ وہ خطبات ہیں، جن کا ریکارڈ دستیاب ہوا۔ اور جو تقریر یں ریکارڈ نہیں کی گئیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

اردو تقریروں کے دوران ،مثنوی مولانا روم ،امام احمد رضا کی نعت ، کبھی اپنا کلام اور کبھی والد گرامی مولانا عبد الحکیم جوش کا کلام نہایت کیف و سرور کے ساتھ پڑھتے ۔ جس سے سماں

بندھ جاتا ۔ سارا ماحول رنگ و نور میں نہا جاتا۔ عشق رسالت کی جس کیفیت سے مولانا سرشار رہتے ، اس کی اثر انگریزی ساحرانہ طور پر سامعین کو اپنی گرفت میں لے لیتی اور قلوب کا تزکیہ کر دیتی۔

تقریروں کی ریکارڈنگ

اس زمانہ میں آج کی طرح ریکارڈنگ کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے مولانا کے بہت سے علمی جواہر پاروں سے ہم محروم ہیں۔

1952 میں ساؤتھ افریقہ کے دورہ کے موقع پر مولانا کے ایک معتقد مرید میمن تاجر جناب حاجی ابراہیم ناز محمد صاحب مرحوم نے ریکارڈنگ کی قدیم اور کمیاب ٹکنک 'وائر' کے ذریعہ بعض اردو اور انگریزی تقریروں کی ریکارڈنگ کی جو بعد میں ٹیپ کیسٹس پر منتقل ہوئیں۔ رفتہ رفتہ ان کی کاپیاں ہر جگہ ملنے لگیں ،اردو میں کی ہوئی ایک تقریر کا مختصر اقتباس جو ٹیپ سے نقل کی گئی ملاحظہ فرمائیں :

"انسانیت کی تقسیم کا ایک اصول ہے ۔ وہ اصول یاد رکھئے ۔ اصول کیا ہے ؟ ایک تو انسان وہ ہے، جو کہتا ہے کہ میں جانوں اور میری زندگی جانے، جس طرح میں چاہوں اپنی زندگی کو چلاؤں ۔ سمجھتے جائیے انسانیت کی تقسیم۔ ایک انسان وہ ہے، جو سمجھتا ہے میں آدمی ہوں ، اور مجھے عقل ہے، مجھے شعور ہے، مجھے کسی سے کوئی واسطہ نہیں، کسی سے کوئی تعلق نہیں، میں اپنا مالک ہوں ، جس طریقے سے چاہوں میں اپنی زندگی کو چلاؤں، جو چاہوں سو کھاؤں ، جو چاہوں سو پہنوں، جب چاہوں تو ہنسوں، کسی سے دوستی کرنا چاہوں تو دوستی کروں کسی سے دشمنی کرنا چاہوں تو دشمنی کروں،

جو قانون میں اپنے لیے بناؤں گا، اس قانون پر چلنے کے لیے میں آزاد، مجھے کسی سے واسطہ نہیں ، ہم بحیثیت انسان کے اپنے لیے قانون بنانے کا خود حق رکھتے ہیں، کوئی ہمارے اوپر ایسی طاقت نہیں جس کی ماتحتی کے اندر ہم رہیں، اور اس کے بنائے ہوئے قانون پر ہم چلیں۔"

یہ تقریر ساؤتھ افریقہ کے مشہور شہر ڈربن کی جامع مسجد میں ہوئی۔ اس کا عنوان **"انسانیت کا مرتبہ"** تھا۔ ساؤتھ افریقہ میں اس وقت کے سیاسی نظام ، رنگ ونسل کے امتیاز ، کالے گورے کے فرق کے پس منظر میں مولانا کا یہ لکچر چند قسطوں پر مشتمل تھا۔ جس سے نسلی امتیاز کے قانون کا غیر اسلامی و غیر انسانی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ساؤتھ افریقہ

جنوبی افریقہ ، افریقہ جنوب میں سب سے زیادہ خوشحال اور قدرتی اور مادی وسائل سے مالا مال ہونے کی وجہ سے یورپ کے مادہ پرستوں کی توجہ کا مرکز رہا۔

استعماری طاقتوں کی باہمی کشمکش کی وجہ سے زندگی میں ٹھہراؤ نہ تھا۔ یہاں کے اصلی باشندے **سیاہ فام** تعداد میں کافی ہونے کے باوجود غربت وافلاس، جہالت و سفاہت کے شکار جنگلوں میں نہایت پسماندگی کی زندگی گزارتے تھے۔ ان کا کوئی دین و مذہب نہ تھا۔ خود ساختہ قبائلی رسوم کے پابند تھے۔ 1953 میں ،مولانا عالمی دورہ مکمل فرما کر ساؤتھ افریقہ تشریف لائے۔

یہاں کے دینی ، سیاسی اور معاشرتی مسائل پر پوری توجہ فرمائی۔ یہاں مقیم مسلمانوں کو منظم فرمایا۔ دینی تعلیم کی طرف ان کی توجہ مبذول فرمائی، اور ساتھ ہی ساتھ مولانا کی بصیرت

نے یہاں کے مستقبل کا اندازہ لگا لیا۔ مقامی سیاہ فام افریقیوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی تاکید فرمائی۔ ایک تقریر میں ہندوستانی مسلمانوں کو مخاطب فرماتے ہوئے سخت تنبیہ کی ، فرمایا:

"جس طرح تم افریقیوں کو ملازم رکھتے ہو، اور اپنی دکانوں میں، گھروں میں کام کرواتے ہو، انہیں سکھاتے ہو کہ کپڑے اور برتن اس طرح صاف کرو۔ اس کے ساتھ ہی اگر تم انہیں اسلام کی باتیں بھی سکھاتے ، غسل اور وضو کا اسلامی طریقہ بتاتے ، ان کے ساتھ مساویانہ سلوک کرتے، ان کی مدد کرتے ، ان کے دکھ درد میں کام آتے ، تو یہ سب اسلام میں داخل ہو جاتے -تمہارے بھائی اور دوست بن جاتے - مظلوم کی مدد کرو گے تو اللہ کی مدد آئے گی۔" (پریٹوریا (Pretoria)کی ایک تقریر کا مفہوم)

اب ملک آزاد ہو جانے اور سیاہ فام افریقیوں کے ہاتھ میں عنان حکومت آجانے کے بعد لوگ مولانا کے اس ارشاد کو یاد کرتے ہیں ، اور کف افسوس ملتے ہیں کہ کاش ہم نے مولانا کے مشورہ پر عمل کیا ہوتا تو اس ملک پر اسلام کو غلبہ ہو گیا ہوتا۔

ڈربن، پریٹوریا ، کیپ ٹاؤن کے شہروں میں قیام زیادہ رہا۔ مگر درمیان میں دوسرے چھوٹے شہروں Pietermaritzburg میرز برگ، لیڈی اسمتھ ، نیو کاسل، وغیرہ کا بھی دورہ فرماتے رہے۔ ہر جگہ رشد و ہدایت کی شمع روشن ہوتی رہی۔

اس دفعہ آپ کا قیام ساؤتھ افریقہ میں چھ ماہ تک رہا۔ ہزاروں گمراہوں کو راہ ہدایت ملی ، اسلام سے جو دور تھے وہ اسلام کے قریب آئے ، جو دشمن تھے اگر دوست نہ بن سکے تو ان کے

دشمنی میں کمی آگئی۔ نہایت اہم کارنامے جو اس آخری سفر میں انجام دیئے ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

"الف" - اجرا دی مکّی پبلکیشنز

ڈربن میں اپنے معتمد شاگرد اور انگریزی قلم کار تبلیغ اسلام کے کاموں میں سرگرم مسٹر محمد مکّی مرحوم کی ادارت میں انگریزی ماہنامہ " **دی مسلم دائجسٹ**" کا اجرا فرمایا۔ جو تقریبا ستر سال تک مسلسل جاری رہا، اور سارے یوروپ، امریکہ، افریقہ میں بڑی مقبولیت کے ساتھ بڑھتا رہا۔ مولانا کے پیغام، ان کی چلائی ہوئی تمام تحریکوں کی پوری نمائندگی کرتا رہا اور اسلام دشمن طاقتوں کے ساتھ محاذ آرائی میں پیش پیش رہا۔

رمضان میں ایک خصوصی نمبر "**رمضان اینول**" شائع کرتا۔ ہر شمارہ کے سرورق کی پیشانی پر بطور بانی کے حضرت مولانا کا نام اس کی زینت بنا رہتا۔ مولانا کے بعد بھی یادگار کے طور پر رسالہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے ۔ مکّی صاحب کے انتقال کے تین سال قبل ہی ، 1999 میں یہ رسالہ منقطع ہوا ۔

"ب" -اسکولوں میں دینی تعلیم کا نصاب

ساؤتھ افریقہ کے سرکاری اسکولوں میں مسلمانوں کے لیے دینی تعلیم کی سہولت فراہم کرنے کے لیے آپ نے "ایجوکیشن منسٹری "سے درخواست کی۔ منسٹر کے ساتھ گفتگو کی۔ نصاب تعلیم کا خاکہ مرتّب فرما کر پیش کیا۔ آخر کار منظوری حاصل کر لی۔ ابوسلیمان اور قاسم عثمان علی ، نیز ڈربن سے مسلم ڈائجسٹ" کے ایڈیٹراور انگریزی صحافی مسٹر محمد مکی بھی ساتھ

تھے۔ اس عظیم تاریخی کارنامہ کے ثمرات آج تک جاری ہیں۔ ساؤتھ افریقہ میں اسلام کی نشو ونما کی تاریخ جب بھی لکھی جائے گی مولانا کا یہ کارنامہ سر فہرست ہو گا۔

کیپ ٹاؤن - آمدِ سلطنت مصطفیﷺ کا سفیر

کیپ ٹاؤن کو **'دی مدر سٹی'** (شہروں کی ماں) کہا جاتا ہے۔ یعنی ساؤتھ افریقہ کا پہلا۔ شہر بہت قدیم اور تاریخی دو سمندروں کا سنگم۔

اتوار ۱۲ را کتوبر ۱۹۵۲ء کو مولانا کیپ ٹاؤن ایر پورٹ پر بذریعہ طیارہ رونق افروز ہوئے ۔ مسلمانان کیپ ٹاؤن نے نہایت عظیم الشان تاریخی استقبال کی تیاریاں کی تھیں۔ مشہور انگریزی اخبار ''کیپ ٹائمز'' نے سرورق پر یہ سرخی لگائی تھی:

''ایک مذہبی مہمان کا پہلا یادگار استقبال''

با ضابطہ ایک استقبالیہ کمیٹی بنائی گئی تھی ۔ جس کے چیرمین جناب امام اسماعیل طالب تھے۔ کیپ ٹاؤن کی پوری مسلم قوم نے جس والہانہ انداز میں اپنے دینی رہنما اور مقبول عوام و خواص لیڈر کا استقبال کیا، اس کی مثال کیپ ٹاؤن کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

کو نسلر صالح دولی آف **'دی کیپ ٹاؤن سٹی کونسل'** اور جناب سید عبد القادر کیپ سماجی کارکن کی قیادت میں استقبال کی منصوبہ بندی، ایر پورٹ سے قیام گاہ تک کے راستے طبل و علم کے ساتھ جوانوں کی صف اور بگل بجانے اور درود و سلام کے شادیانے کی گونج کا نہایت دلکش منظر پیش کرتی ہوئی جماعتیں ، بس دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔

ایر پورٹ کے باہر جلوس اس طرح روانہ ہوا کہ مولانا ایک کھلی کار میں، جناب سید منصور رفاعی کے ساتھ، آہستہ آہستہ چلتا ہوا سڑک کے دونوں طرف عوام و خواص، لائن میں کھڑے اپنے دینی رہنما کا نظارہ کر رہے تھے۔

میرین ڈرائیو سے گزر کر جلوس اڈر لی اسٹریٹ Adderley Street میں رکا۔ اب یہاں سے مولانا کی سواری بدل گئی۔ کار سے اتار کر چھ گھوڑوں کی بگھی میں بٹھائے گئے۔ چاروں طرف بلڈنگوں ، بلڈنگوں اور بالا خانوں پر چڑھے ہوئے لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے، اور ہاتھ ہلا ہلا کر اپنے رہنما کو والہانہ و عقید تمندانہ خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ اس طرح یہ قافلہ ،گرینڈ پیریڈ Grand Parade square کے وسیع میدان تک پہونچا۔ جہاں ' گارڈ آف آنر' پیش کیا گیا۔

حضرت کے چہرہ پر نور کی برسات ، کتھئی رنگ کا عمامہ، ہوا میں لہراتی ہوئی سفید ریش مبارک ،جس سے دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ ہو رہی تھیں ، اسلامی روحانی افواج کے اس عظیم سپہ سالار کے چہرہ پر عزم و حوصلہ کا رنگ اور فاتحانہ و قارنمایاں تھے اور وہ کھڑے ہو کر مسلمانوں کی سلامی لے رہے تھے۔

'گارڈ آف آنر' سے فارغ ہونے کے بعد مولانا پلیٹ فارم پر آئے اور مولانا نے اپنے مخصوص مگر آج کچھ جذباتی لہجہ میں سب کا نہایت پر خلوص شکر یہ ادا کیا۔ پھر فرمایا:

"ساؤتھ افریقہ میں تمام انسانوں کی خدمت کے لیے آیا ہوں خواہ وہ کسی رنگ کے ہوں، گورے ہوں ، کالے ،پیلے یا گندمی ہوں ۔ اس لیے کہ خدا کی حکومت میں سب برابر ہیں"۔

آگے چل کر فرمایا:

"میرا خیال ہے کہ کیپ ٹاؤن کے لوگوں نے میرا استقبال بحیثیت عبدالعلیم صدّیقی نہیں کیا، بلکہ سلطنت مصطفی ﷺ کے سفیر کی حیثیت سے کیا ہے"۔

جس کے بعد گرم جوشانہ نعرے بلند ہوئے اور عوام نے اپنے جذبہ حبّ رسول ﷺ کا اظہار کیا۔ پھر آپ نے اسلام کے بارے میں یہ الزام کہ وہ بزور شمشیر پھیلایا گیا کا دفاع کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ہندوستان پر مسلمانوں کی سات سو سال سے زیادہ حکومت رہی۔ اگر وہ تلوار کا استعمال کرتے تو وہاں ایک بھی غیر مسلم باقی نہ رہتا ۔ حالانکہ اس کے برخلاف ہندوستان میں مسلمان اقلیتی قوم ہے۔ اگر ماضی میں کبھی مسلمان نے تلوار اٹھائی ہے، تو یا اپنے دین کی آزادی کے لیے یا اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کے دفاع کے لیے"۔

اس کے بعد مولانا نے سب کے لیے دعا فرمائی ۔ سب کا شکریہ ادا کیا اور استقبالیہ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ کیپ ٹاؤن میں مولانا کا قیام مسٹر موسیٰ ہاشم کے یہاں کلوف سٹریٹ Kloof street میں تھا۔

پورٹ ایلز بتھ : نئی کرنیں نئی امنگیں

کیپ ٹاؤن میں مثالی اور یادگار استقبالیہ کی گونج نہ صرف سارے ملک، بلکہ تمام پڑوسی افریقی ممالک میں سنی گئی۔ پورٹ ایلز بتھ ، صوبہ کیپ کا ایک چھوٹا مگر صنعتی شہر ہے۔ جہاں ملیشیائی نسل کے مزدور طبقہ کی خاصی آبادی ہے۔ ان میں مسلم ،غیر مسلم اور نو مسلم بھی

مولانا کے بڑے عقیدت مند ہیں۔ مولانا کی محبت ان کے دلوں میں راسخ ہے۔ لہذا ان کی دعوت پر مولانا پورٹ ایلیز بتھ آئے -غریبوں ، مزدوروں اور نو مسلموں میں ان کی زیارت سے زندگی کی اُمنگ ، خدا پرستی کا جذبہ اور شر پسندی سے نفرت کے جذبات تازہ ہو گئے۔ وہاں اجلاس میں ڈپٹی میئر نے مولانا کو خوش آمدید کہتے ہوئے ان کی خدمات کو سراہا اور کہا کہ:

"اس وقت دنیا میں نفرتوں اور جنگوں کی فضا ہے۔ انسانیت کو بچانے کے لیے مولانا ایک فورس کا کام کر رہے ہیں۔"

اس دفعہ ساؤتھ افریقہ کا دورہ، چونکہ عالمی دورہ کے بعد ہو رہا تھا اور مولانا کا عالمی دورہ ڈھائی سال تک جاری رہا تھا۔ اکتوبر1940 میں کراچی سے شروع اور مئی 1951 میں کراچی پر ختم ہوا۔ یہ وہ وقت تھا جب پوری دنیا عالمی جنگ کی تباہ کاریوں اور جانی مالی نقصانات سے بری طرح متاثر تھی۔ آہوں اور سسکیوں کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ حضرت مولانا انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھنے کے لیے روحانی مسیحا بن کر ملکوں ، شہروں ، دیہاتوں اور آبادیوں میں پہونچ کر ہر دل محزوں کو تسکین کی دولت تقسیم فرمانے لگے۔

لیڈی اسمتھ -اعزازات و کامرانیاں

ساؤتھ افریقہ کے اس تاریخی شہر میں 12 جنوری 1953 کو الوداعی پروگرام سے قبل، عالمی دورہ کی برکات وثمرات سے ہر ایک کو آگاہ کرنے اور مولانا کو اس عظیم کارنامہ پر ایسے وقت میں جب دھرتی پیاسی تھی ، امن و آشتی کا اسلامی پیغام پہونچانے پر خصوصی مبارکباد پیش کرنے کے لیے، ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا۔ انگریزوں نے اس میں بڑی دلچسپی دکھائی ، اور اپنے پورے خاندان سمیت مولانا کو دیکھنے کے لیے جمع ہوئے۔

مشرقی نٹال کے چیف مجسٹریٹ نے مولانا کو ان کے عالمی دورہ پر مبارکباد پیش کی۔ شہر کے میئر نے امنِ عالم کے قیام میں مولانا کی خدمات کو سراہا۔ جناب ایم. این. خاں صاحب نے اپنی تعارفی تقریر میں مولانا کی قائم کردہ **بین المذاہب رابطہ کمیٹی** ، جس کا ہیڈ کوارٹر سنگا پور، ملایا، ملیشیا میں تھا کو 'اس دور کی ایک بڑی ضرورت' بتاتے ہوئے اسے مولانا کا عظیم الشان کارنامہ قرار دیا -

دوسرا عظیم کارنامہ، عیسائی دنیا کے روحانی لیڈرس اور مسیحی مبلّغین کو کمیونزم کے خطرات سے آگاہ فرمانا ہے۔ تاکہ الحاد اور دہریت کے خلاف ہر طرف سے ناکہ بندی ہو سکے۔ دکھی انسانیت کے لیے جگہ جگہ پناہ گاہیں، یتیم خانوں اور بیوہ خانوں کی شکل میں قائم کرنے کی تجویز کے بانی مولانا ہیں۔ مسلم خواتین کے لیے علاحدہ ہسپتال قائم کرنے کا منصوبہ بھی زیر غور ہے۔

انھوں نے بتایا کہ انہیں خدمات کی بنیاد پر آپ کو Roving Ambassador of Peace روئنگ ایمبیسڈر اف پیس (امن کا جہاں پیما سفیر) کا خطاب دیا گیا۔ ہم آپ کی طویل عمری اور صحت و تندرستی کی دعا مانگتے ہیں۔ لیڈی اسمتھ میں مولانا کی میزبانی ڈاکٹر اے ایچ صدر نے کی اور لیکچر ریکارڈ کیا گیا۔

ڈربن الوداعی

ڈربن میں الوداعی پروگرام مرتّب ہو رہے تھے۔ لوگوں میں مولانا سے جدائی کا غم انہیں افسردہ بنارہا تھا۔ زیادہ سے زیادہ ان کے قریب رہ کر فیض حاصل کر رہے تھے۔ کیپ ٹاؤن میں عظیم الشان جشن میلادالنبی کے بعد، مولانا کو رخصت کرتے ہوئے اہل کیپ ٹاؤن الوداعی

تقریب منعقد کر چکے تھے ۔ جذبہ تشکر سے لبریز، دل و نگاہ کے ساتھ ہر ایک اپنے رہنما کو رخصت کر رہا تھا۔

اس موقع پر ،مولانا نے اپنے جوابی ایڈرس میں قدرے جذباتی ہو کر اپنے دونوں ہاتھ حاضرین کی طرف پھیلا کر ان کا شکریہ ادا کیا۔ دعائیں دیں اور فرمایا کہ آپ کا جشن میلاد النّبی سرکار رسالت ماب ﷺ کی بارگاہ میں مقبول ہے، اور مدینہ سے رحمتیں اور برکتیں آپ کی طرف مائل ہیں۔

ساؤتھ افریقہ کو پہلی مرتبہ مولانا نے 6 ماہ کا وقت دیا ، قیمتی مشورے دیئے۔ اسلام اور مسلمانوں کے روشن مستقبل کے لیے مکمل منصوبہ تیار فرما کر ان کے حوالہ کر دیا کچھ پیشین گوئیاں بھی فرمائیں۔ جو حرف بہ حرف درست ثابت ہوئیں۔ بعض اہل نظر نے محسوس کر لیا تھا کہ شاید یہ مولانا کا آخری سفر ہو ۔

ڈربن کی الوداعی تقریب شکریہ سے شروع ہوئی۔ جواب میں مولانا نے تمام حاضرین مسلم اور غیر مسلم کو جو روحانی برکت حاصل کرنے کے لیے آئے ہوئے تھے نصیحت فرمائی:

" صبح جلدی اٹھو، غسل کرو، صاف کپڑے پہنو۔ اپنے خدا کو یاد کرو اور دعا کرو کہ سیدھے راستہ پر چلائے" ۔

مسلمانوں کو پنج وقتہ نماز کی پابندی کی تاکید فرمائی۔ اپنے اس آخری نصیحت آموز ارشاد میں یہ بھی ارشاد فرمایا:

"ہر قومی لیڈر اپنی قوم سے کہتا ہے آگے بڑھو، بڑھتے رہو، پیچھے مڑ کر نہ دیکھو۔ میں اپنے تمام سننے والوں سے یہ کہوں گا ، پیچھے چلو، خدا کی طرف چلو ، قدیم مذہب کی

طرف چلو، پچھلے زمانہ کے لوگوں کی پیروی کرو، ترقی تمہارے قدم چومے گی۔ " (انگریزی سے ترجمہ)۔

ع دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

آپ نے فرمایا: " اس مضطرب دنیا کو قرآن کا یہ پیغام سنا دو اور بار بار سناتے رہو - **"اللہ کا ذکر دلوں کو اطمینان عطا کرتا ہے"۔**

اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا، "میں سمجھتا ہوں اب میرا وقت قریب آ گیا ہے، میں ایک بوڑھا آدمی ہوں، اپنا کام پورا کر چکا ہوں - آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ میرے لیے دعا کریں ، جب میرا آخری وقت آئے تو اللہ مجھے مدینہ منورہ پہونچادے اور کاش نبی ﷺ کے شہر میں دفن ہونے کی سعادت بخش دے" -(انگریزی سے ترجمہ)

حاضرین نے آمین کہی اور بہت سے لوگ پھوٹ کر رو دیے - ڈربن کا یہ الوداعی پروگرام جو ایولون ہال Avolon hall میں 11 جنوری 1953 اتوار کے دن منعقد ہوا تھا، آخری پروگرام تھا- جس کے بعد آپ کو بذریعہ طیارہ جو ہانسبرگ سے ماریشش ہوتے ہوئے وطن روانہ ہونا تھا-

۲۳جنوری ۱۹۵۳ء کو مولانا کا طیارہ مائل بہ پرواز ہوا- اس کے بعد ڈربن کے انگریزی اسلامی ماہنامہ " دی مسلم ڈائجسٹ" کے جنوری شمارہ میں جو اداریہ شائع ہوا ،اس کا عنوان تھا **"اللہ بی ویتھ ہم"** (اللہ ان کے ساتھ رہے)۔

مولانا کی تعریف و توصیف میں ان کی خدمات کے ذکر کے ساتھ ہی ساتھ ایک واقعہ جو ڈربن میں پیش آیا لکھا ہے۔ قارئین کے لیے اس کا ترجمہ دلچسپ ہوگا۔ اور یہ ہوس زر کے موجودہ ماحول میں لوگوں کے لیے درس عبرت ہے :

"چھ ماہ کے پورے دورہ میں مولانا نے نہ کوئی نذرانہ وصول کیا نہ تحفہ۔ روانگی سے کچھ قبل ڈربن کے ایک سرمایہ دار تاجر نے ۲۵۰ پونڈ کی رقم تحفتاً پیش کی۔ حضرت نے قبول فرما کر پھر انہیں واپس کیا اور فرمایا ، یہ رقم **'عبد العلیم صابر اسکالرشپ' فنڈ '** میں شامل کر لیجئے" ۔ یہ حقیقت حال ہے - (انگریزی سے ترجمہ ماہنامہ مسلم ڈائجسٹ شمارہ جنوری ۱۹۵۳ء ص: ۳)

مبلّغ اسلام کے کردار کی عظمت کا یہ ایک واقعہ ہے جو دستیاب ہے اور نہ جانے کتنے ایسے واقعات ہوں گے جو ہم تک نہیں پہونچ سکے۔ نہ ان کا کوئی ریکارڈ ملتا ہے۔ نہ کوئی راوی اب موجود ہے۔ کردار کی اس عظمت کو بار بار سلام پیش کیجیے اور اس کی تاثیر دیکھیے مولانا کی شخصیت پر اذ تاثیر تو تھی ہی، ان کی آواز کی جاذبیت بھی مثالی تھی۔ ان سب سے بالا تر یہ ہے کہ ان کے مشورے، ان کی نصیحتیں اس قدر پر تاثیر ہوتی تھیں کہ ایک پوری نسل نے ان کو گرہ سے باندھ لیا ور اپنائے رکھا۔ راقم کے برادر بزرگ ،علاّمہ شمیم اشرف از ہری ماریشش میں رہتے ہیں۔ انہوں نے اپنا تجربہ بیان کیا:

"ماریشش کے مسلمان ، صبح خیزی کے جتنے پابند ہیں، ایسے میں نے دوسری جگہ نہیں دیکھا۔ اور یہ مبلّغ اسلام کی اس آخری نصیحت کا فیض ہے، جو انہوں نے آخری وقت میں فرمائی تھی"۔

"صبح جلدی اٹھو" ، عوام و خواص کے دلوں میں انہوں نے ایسی جگہ بنالی ہے کہ لوگ عقید تمندانہ اپنے بچوں کے نام عبد العلیم کثرت سے رکھتے ہیں۔

ساؤتھ افریقہ کے کئی شہروں میں مسجد کا نام **عبد العلیم مسجد** ، **عبدالعلیم ہاؤس** ، **صدّیقی منزل** ، **صدّیقی مسجد** -اہلسنت کا پہلا دارالعلوم جوڈربن میں قائم ہوا، اس کا نام **دار العلوم علیمیہ رضویہ** رکھا گیا - ڈربن میں ایک روڈ کا نام **میرٹھ روڈ** ہے، جو مبلّغ اسلام کے وطنِ اصلی نام پر ہے-

؏ جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

آغوش محبوب میں

مولانا نے پاکستان ہجرت فرمانے کے بعد پوری زندگی کرائے کے چھوٹے سے مکان میں گزاری۔ مولانا ظفر علی نعمانی صاحب کا بیان ہے کہ ہم لوگوں نے مکان خریدنے کی بات جب بھی کی تو مولانا ٹال جاتے تھے۔ اخیر عمر میں جب مدینہ منورہ پہونچے تو وہاں ایک چھوٹا سا کچا مکان اپنے نام سے خرید فرمایا اور اس پر بہت خوش ہوئے کہ میں باشندگان مدینہ میں شامل ہو گیا۔

ان کی ہمیشہ سے یہ تمنا تھی کہ جنت البقیع شریف میں دفن ہونے کی سعادت میسر آ جائے- اپنی نعت کے ایک شعر میں فرماتے ہیں :

؏ علیم خستہ تنگ آگیا ہے درد ہجراں سے الٰہی کب وہ دن آئے کہ مہمان **محمد**ﷺ ہو

اللہ تبارک و تعالی نے ان کی یہ تمنا پوری فرمائی۔ مختصر علالت کے بعد1954 میں مدینہ منورہ میں اس طرح وصال فرمایا کہ گنبد حضرا ان کے نگاہوں کے سامنے تھا اور اس کا مبارک نقش ان کی دنیاوی زندگی کا آخری نقش بن گیا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

من از عالم تر اتنہا گزیدم رواداری کہ من تنہا نشینم

”....بیسویں صدی عیسوی کے اندر متحدہ ہندوستان کے علماء کے درمیان آپ کی شخصیت اور حیثیت ممتاز تھی، جن اعلی اوصاف و کمالات کے ساتھ آپ کا داعیانہ جو ہر سامنے آیادہ اپنی مثال آپ ہے اس لیے آج کے داعیان اسلام کو چاہئے کہ ماضی قریب کی شخصیات میں آپ کو اپنا نمونہ عمل بنائیں جس کا رشتہ سلسلہ بہ سلسلہ اور عہد بہ عہد ہوتا ہوا اس ذات گرامی تک پھونچتا ہے، جو سارے جہاں کے لیے نمونہ عمل ہیں، اور جن کے بارے میں قرآن حکیم ارشاد فرماتا ہے:” لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة....“

حضرت علاّمہ یٰس اختر مصباحی

بانی و صدر دار القلم ذاکر نگر

نئی دہلی - نومبر ۲۰۰۹